حضرت شیفتہ کے مختصر حالات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس طرح زمانے کی ہوا پلٹ جانے سے ملک کے لوگوں کے خیالات خصائل، عادات، مشاغل، طریق بود و ماند، لباس و خوراک میں تغیّر واقع ہو گیا ہے اسی طرح ان کا علمی مذاق بھی بدل گیا ہے تیرھویں صدی کے وسط میں۔ اُردو اور فارسی ادب میں جن لوگوں نے چار چاند لگائے تھے آج اُن کے کلام کے سمجھنے والے بھی نظر نہیں آتے ذوق، غالب، مومن، صہبائی، علوی، آزردہ، حسرتی اُن باکمال لوگوں میں ہوئے ہیں کہ جن پر آج ہندوستان جتنا فخر کرے کم ہے اور اب اس گئے گزرے زمانہ میں اِن بزرگوں کا نام زندہ رکھنے والے حالی اور شبلی باقی تھے وہ بھی ایک ایک کرکے دُنیا سے اُٹھ گئے لیکن بغور دیکھا جائے تو یہی وہ لوگ ہیں جن کو حیات جاوید حاصل ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعلم ✤ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام شاں[ـلـه]

ـلـه ایک موقع پر خواجہ حافظ کے اس شعر کو سرسیّد مرحوم نے کچھ تصرف کے ساتھ لکھا تھا ہم نے بھی انھیں کا تتبع کیا ہے ۱۲

اُن کا کلام جو اعلیٰ اخلاق اور سچے جذبات سے پُر ہے جس سے ان کے دل و دماغ کے صحیح ہونے کا پتا چلتا ہے اور اُن کی بلند نظری اور خوض و فکر وغیرہ کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے اس وقت بھی ملک کے لیے ویسا ہی سرمایہ افتخار ہے جیسا کہ آج سے پچاس ساٹھ برس قبل تھا۔ اس مختصر تمہید کے بعد جو دیوان آپ کی نظر سے گزرے گا وہ جناب غفران مآب نواب محمد مصطفےٰ خاں صاحب مرحوم و مغفور رئیس دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر (المتخلص بہ شیفتہ بہ اُردو و حسرتی بہ فارسی) کا کلیات ہے جس کی اشاعت کا فخر ہمیں نواب صاحب مرحوم کے خلف الرشید عالی جناب نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب ریٹائرڈ جج صوبہ متحدہ و آنریری سکرٹری ایم اے او کالج علی گڑھ کی کرم گستری و اجازت سے حاصل ہوا ہے۔ چونکہ کسی شاعر کے کلام کے مطالعہ سے قبل اُس کی زندگی کے حالات سے واقفیت حاصل کرنا ایک حد تک ضروری ہے اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ نواب صاحب مرحوم و مغفور کے حالات زندگی اس موقع پر مختصراً درج کریں۔

خاندان نواب محمد مصطفےٰ خاں مرحوم نواب عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضےٰ خاں صاحب بہادر مظفر جنگ کے فرزند تھے۔ اور نواب دلی داد خاں

مرحوم خاندان بنگش سے تھے جبکہ دہلی میں خاندان بنگش کا عروج تھا وہ
کوہاٹ سے دہلی تشریف لائے اور اپنے صاحبزادہ نواب مرتضیٰ خاں صاحب
کی شادی اُس زمانے کے مشہور سپہ سالار اسمٰعیل بیگ خاں ہمدانی کی صاحبزادی
نواب اکبری بیگم صاحبہ سے کی۔ اور جو فوج مرہٹوں سے اُس وقت برسرِپیکار
تھی اُس میں عہدہ دار ہوئے۔

۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دہلی میں انگریزی سلطنت کی بنیاد قائم کی۔ اُس
وقت نواب مرتضیٰ خاں صاحب کو لارڈ موصوف نے دہلی کے قریب ہوڈل
پلول کا علاقہ بطور جاگیر عطا کیا۔ اس دور میں جو سات رئیس با اختیار بنائے گئے
تھے منجملہ اُن کے نواب مرتضیٰ خاں صاحب بھی تھے۔

۱۸۱۴ء میں نواب ممدوح نے جہانگیر آباد کا علاقہ جو پہلے راجہ کھوڑس رائے
کی ملکیت تھا اور بعلّت عدم ادائے مالگذاری نیلام ہوا خرید لیا اور گورنمنٹ سے
سند تعلقہ داری عطا ہوئی۔ نواب صاحب کی رحلت کے بعد ہوڈل پلول کے
علاقہ کو گورنمنٹ نے واپس لے لیا اور اُس کے عوض میں اراکین خاندان کی پنشن
مقرر کردی جو غدر ۱۸۵۷ء تک جاری رہی۔

نواب مرتضیٰ خاں صاحب نے جہانگیر آباد کا علاقہ اپنی حیات میں صاحبزادہ

مصطفےٰ خاں کے نام منتقل کر دیا تھا جو اُن کے بعد اُن کی اولاد کی ملکیت میں آیا اور اس وقت تک قائم و برقرار ہے۔

ولادت — نواب محمد مصطفےٰ خاں صاحب کی ولادت ۱۸۰۶ء میں بمقام دہلی ہوئی۔

تعلیم و تربیت — میاںجی مالا مال[۵۱] سے جو دہلی کے ایک مشہور بزرگ اور سربرآوردہ معلّمین میں تھے فارسی، عربی پڑھی اور علوم مروجہ حاصل کیے۔

حضرت مولانا حاجی محمد نور دہلوی[۵۲] نقشبندی سے بھی جو جامع علوم ظاہر و باطن تھے خاصکر فن حدیث و تجوید میں اُس وقت اُن کا کوئی ہمسر نہ تھا آپ نے حدیث و قرارت کا استفادہ حاصل کیا۔ علوم دین سے آپ کو ایسا شوق و شغف تھا کہ طلب کی تشنگی کسی وقت فرو نہ ہوتی تھی۔

۱۲۵۵ھ میں جب کہ آپ کو حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی مکہ معظمہ

---

۵۱ میاںجی صاحب کا مزار دہلی میں حضرت سلطان الاولیا رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں نواب صاحب کے سرہانے ایک چھوٹے چبوترہ پر واقع ہے۔

۵۲ حاجی محمد نور صاحب کا مزار سورت میں ہے جب آپ دوبارہ بار اول حج جا رہے تھے راستہ میں بمقام سورت شعبان ۱۲۵۲ھ میں وصال ہوا۔

کے فاضل اجل عالم باعمل حضرت شیخ عبداللہ سراج حنفی سے آپ نے صحاح کے ابتدائی حصے تبرکاً پڑھے تھے جبتک مکہ معظمہ میں قیام رہا آپ برابر اُن سے فیض حاصل کرتے رہے - مدینہ منورہ میں شیخ محمد عابد صاحب سندھی سے اکثر حدیث کی کتابوں کے خاص خاص مقامات پڑھے اور روایت کرنے کی اجازت حاصل کی - ان کے علاوہ مولوی کرم اللہ صاحب محدث علیہ الرحمہ سے جو خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی قدس سرہ کے تھے آپ نے کچھ علوم پڑھے تھے۔[۱]

عادات وخصائل وطریق ماندوبود

نواب صاحب[۲] مرحوم رات کو باختلاف موسم دو بجے سے ۳ بجے تک تہجد کے واسطے بیدار ہوتے تھے اور نماز تہجد اور صبح کے درمیان مسنون قیلولہ کے بعد صبح کی نماز مسجد میں جاکر سفر ہو یا حضر اول جماعت کے ساتھ ادا کرتے تھے اور اکثر مسجد سے واپس آکر اشراق تک وظائف واذکار ختم کرتے

---

۱ از ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین مصنفہ حضرت مولانا شاہ محمد معصوم صاحب مجددی مقیم مدینہ شریف ۱۲

۲ یہ حالات ہمیں مولانا ذکی صاحب منتظم رامپور سے ملے جن سے ماہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں اُن سے ملاقات کا فخر حاصل ہوا تھا دستیاب ہوئے مولانا موصوف کو ۱۸۶۱ء سے ۱۸۶۹ء تک نواب صاحب کی خدمت میں مسلسل رہنے کا اتفاق ہوا تھا ۱۲

کے بعد متعلقین سے ملتے تھے دس بجے کھانا تناول فرما کر قدرے قیلولہ فرماتے تھے اسی کے بعد ظہر سے پہلے پہلے حدیث شریف یا تصوف یا سیر کی کسی کتاب کا مطالعہ بھی فرما لیتے تھے۔ اول وقت ظہر کی نماز مسجد میں جاکر جماعت والے کے ساتھ پڑھتے تھے اسی طرح عصر و مغرب کی نمازیں اول وقت ادا فرماتے تھے عشا کی نماز کے بعد رات کا کھانا تناول کر کے بلافصل استراحت فرماتے تھے بیماری کی حالت میں جبکہ راتوں کو نیند کم آتی تھی دیگر امرا کی طرح داستان یا قصے نہیں سنتے تھے بلکہ کسی کتاب سے حمد و نعت مناجات یا منقبت اہل بیت پڑھوا کر سنتے اور سو جاتے۔

عصر اور مغرب کے درمیان مصاحبین و اکابر مہمانوں سے جو آپ کی مہمان نوازی کے سبب اکثر موجود رہتے تھے صحبت رہتی تھی۔ مصاحبت میں مولانا حالی مرحوم جیسے لوگ ہم صحبت تھے۔ نواب مرحوم اسقدر کم گو تھے کہ ابتدا ملاقات میں نئے آدمی کو خودداری کا گمان ہوتا تھا لیکن اُن کے جلسہ میں کسی ادنےٰ یا اعلےٰ کی غیبت کا گزر نہ تھا اُن کی صحبت متین اور مہذّب ظرافت اور لطیفوں سے خالی نہ تھی یعنی زہد خشک سے جو ریا کے درجہ تک پہنچتا ہے بری تھی دینی و دنیوی جو بات تھی بناوٹ اور تصنّع سے کوسوں دور تھی۔

نواب صاحب کا اصول تھا کہ تمام خطوط کا جواب فوراً دیا جائے چنانچہ جو خطوط آپ کے پاس آتے تھے ان کا جواب ہمروزہ لکھوا دیتے تھے جس زبان میں خطوط آتے تھے اسی زبان میں جواب لکھواتے فارسی خطوط کا جواب فارسی میں اردو خطوط کا اردو میں جواب دیتے تھے۔ آپ اپنے پیش دست کو عبارت خطوط کی خود نہیں لکھواتے تھے بلکہ وہ خط لکھکر پیش کرتا آپ اس کی اصلاح فرما دیتے تھے اصلاح کے بعد خطوط صاف کیے جاتے تھے۔ ایک زمانہ تک خطوط نویسی کا کام نواب صاحب اپنے بڑے صاحبزادہ نواب محمد علی خاں صاحب سے لیتے رہے جس سے صرف انکی تربیت و تعلیم مقصود تھی مولانا فرحی صاحب نے بھی جب مولانا موصوف جہانگیر آباد میں طالب علمی کے زمانہ میں موجود تھے نواب صاحب کی اس خدمت کو انجام دیا ہے۔ مولانائے موصوف فرماتے تھے کہ "نواب صاحب مرحوم ہمارے لکھے ہوئے خطوط کی اصلاح میں محاورات زبان اور املا کا بے حد خیال فرماتے تھے یہاں تک کہ اگر کبھی میں لفظ "تم نے" کو ملا کر تمنے لکھ دیتا تو اس کو کاٹ کر "تم نے" لکھ دیتے" گویا آپ ہر لفظ کو علٰحدہ علٰحدہ لکھنے کے حامی تھے اور اردو املا کے اس رسم خط کی ضرورت کو جسے آج کے مصلحان اردو رائج

کرنا چاہتے ہیں آپ آج سے پچاس برس پہلے محسوس کر چکے تھے۔
نواب صاحب کا خط نہایت پاکیزہ تھا قلم کاغذ کیسا ہی خراب ہو مگر معلوم ہوتا تھا کہ مینا کیا ہوا ہے۔ باوجود خوشخط ہونے کے اپنے ہاتھ سے قلم نہیں بناتے تھے۔

جوانی میں آپ کو گھوڑے کی سواری کا بہت شوق تھا۔ پیرانہ سالی کے زمانہ میں بھی اسی شوق کے یادگار کے طور پر ان کا اصطبل گھوڑوں سے معمور رہتا تھا۔

بزرگوں سے عقیدت و بیعت

سب سے پہلے قدوۃ الاصفیا شیخ الفقہا سید المحدثین مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب سے جو شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز کے نواسے اور دہلی کے مشہور محدث اور کابر شیوخ سے تھے بیعت کی۔ ان کے وصال کے بعد شاہ ابوسعید صاحب اور شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سجادہ نشین حضرت شاہ غلام علی صاحب نقشبندی مجددی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ فیوض باطنی کرتے رہے۔ آخر میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی قدس سرہ العزیز سے تجدید بیعت فرمائی۔ شاہ صاحب نے آپ کو سلسلہ علیہ نقشبندیہ میں سند خلافت بھی

عطا کی تھی۔ شاہ صاحب موصوف اُن کو اپنے خلفاء[۵۱] سے اجل سمجھتے تھے اور اپنے مریدین کو تکمیل کے واسطے نواب صاحب کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔ نواب صاحب شب و روز مجاہدے اور ریاضت میں بسر کرتے تھے آپ کا کشفِ قبور اس وقت مشہور تھا اور نسبت زبردست تھی۔ مولانا ولی النبی صاحب رامپوری جو خاندان نقشبندیہ کے صاحب کمال بزرگ تھے فرماتے

---

۵۱ شاہ صاحب کا مندرجہ ذیل خط قابل ملاحظہ ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم از عبد الغنی عمیم الاحسان نواب محمد مصطفیٰ خاں صاحب۔ سلام مطالعہ فرمایند۔ تا شما نزد ہم محرم الحمد للہ بخیر ہستم و سلامتی ایشاں مطلوب بیشتر بدست مومن علی خاں مکتوب فرستادہ ام امید کہ دعا در حق فقیر مبذول دارند دعادر حق فقیر مبذول بودہ باشند۔ میاں اسد اللہ داخل طریقہ شدہ اند امید کہ بحال ایشاں عنایت مبذول دارند والسلام۔ للفرزند عزیزہ مع فرزندان سلام برسد میاں عزیز و میاں رشید سلام خوانند۔

ایک دوسرا خط بنام احمد جان صاحب دہلوی برادر مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کے نام شاہ صاحب نے بھیجا تھا جس سے ظاہر ہوگا کہ ان کے تعلقات نواب صاحب کے ساتھ کس درجہ کے تھے وہ خط یہ ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ از عبد الغنی برادر عزیز جان علیم اللہ خاں المشتہر بمیاں احمد خاں سلام خوانند و مکتوب آں مکرم فی الحال در مکہ معظمہ رسید بذاتہ مطالعہ او فرحت وحظ تام حاصل گشت الحمد للہ فقیر تاکتابت بخیر ہست و خیریت شما از مصائب دارین مطلوب۔ بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم علیہ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین از رحلت نواب مصطفیٰ خاں رحمۃ اللہ علیہ عزوجل چہ دو قہا بر دل ناتواں رسیدند ہ من از چشم تماشای ساقی خراب افتادہ ام ❊ آما بلا سے کہ حبیب آید ہزارش مرحبا گفتم۔

انا شاء اللہ تعالیٰ وایاکم فی حیٰوۃ واحیانا وایاکم فی ودہ۔ چنانچہ از طرف ادشان وصی بر اہل و عیال ہستید از طرف من نیز شما وکیل ہستید۔ وکفیٰ باللہ وکیلا۔ عیال اوشان را عیال من شمارید و ذوقہا از صحبت اوشاں بہ شنید و شوقہا از مجلس شان برخواستید۔ سیر گل سیر ندیدند و بہار آخر شد۔ از کیفیت ہائے خویش نوشتید بسیار محظوظ شدم۔ چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی ❊ بیاد آر محبان بادہ پیما را۔

مخدوما۔ دلی با اہل خیر است از وے چہ توقع خیر است در حی کہ با اہل بہ کہتر است نفع ابرار از وے بہتر است بلند نفس باشند بہر خسیس بیل نہ تمایند نسبتی مجدد و نقشبندیہ اگرچہ قلیل باشد قلیل نیست کہ مقتبس از مشکوٰۃ سنت نبوی است و سنت محبوبا فخر ناگشتہ ہ ما در کمیں جلوے حبیبے نشستہ ایم ❊ گوہا قفنے کہ گرد فشاند بدام ما۔ والسلام

تحریر مدینہ ہمراہ مکتوب نواب محمد علی خاں در جہانگیر آباد فرستادہ ام (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ ہو)

تھے کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے دہلی پہنچنے کی اطلاع نواب صاحب کو خط کسی ذریعہ سے دی مگر اتفاق سے وہ خط کے پہنچنے سے پیشتر پہنچ گئے اور خط نواب صاحب کو ان کی موجودگی میں ملا۔ قبل اس کے کہ خط کو کھولیں یا پڑھیں اُن سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے کہ "کیا آپ کو بھی اس وقت نسبت نقشبندیہ کی کچھ خوشبو آتی ہے۔ میرا دماغ تو اس خوشبو سے مالامال ہوگیا ہے"

مولانا حالی مرحوم کی زبانی نقل ہے کہ ایک بار نواب صاحب مولانا شاہ غوث علی پانی پتی کی زیارت کو پانی پت تشریف لے گئے۔ چند روز مولانا سے اوقات خاص میں صحبت رہی۔ وقت مراجعت ورخصت مولانا نے آپ سے مصافحہ کیا اور آپ کا ہاتھ ذرا زور سے دبایا۔ اسی طرح تین بار مصافحہ کیا۔ نواب صاحب فرماتے تھے کہ ہر بار میرے قلب میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی تھی جو بیان میں نہیں آسکتی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) اگر حصہ خود بہا بیند و بہن تیریں نمایند و لیتیج ہا اگر میاں ناصر وزیر یہ بدہند در میان خود و میر عبدالرحمان و میر عوض علی و مولوی ولی النبی صاحب و ہمشیرہ عزیزہ اہل خانہ میاں امو جان غفر اللہ لہ تقسیم نمایند فلوس و رمکتوب نوشتند تا ہنوز نرسیدہ اند۔ از عبدالرحمن شاہ اسمٰعیل و ہمشیرہ ہا خوانند ہمہ را سلام۔ تمام شد

مذہب کا احترام اور شرعی پابندی

آپ نہ صرف صوفی باصفا تھے بلکہ عالم باعمل تھے۔ اپنے ذاتی فائدہ کے لیے کبھی کسی شرعی مسئلہ میں توجیہہ و تاویل کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ مولانا حالی نے حیات جاوید میں آپ کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے تھے۔ مولانا حالی لکھتے ہیں :-

"ہم نے خود دیکھا ہے کہ نواب مصطفےٰ خاں مرحوم رئیس جہانگیر آباد ضلع بلند شہر کے پاس ایک موضع گرو تھا۔ بہت مدت کے بعد مالک نے اس کو چھڑانا چاہا۔ ہر چند کہ رہن نامہ میں تمام منافع موضع مرہونہ کا مرتہن کو معاف و مباح کر دیا گیا تھا اور فک رہن کے وقت مالک بخوشی کل زر رہن ادا کرنا چاہتا تھا اور مفتیوں نے بھی اباحت کا فتوےٰ دیدیا تھا لیکن اس مرحوم مغفور نے یہ حدیث پڑھی کہ اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَلَوْ اَفْتَاكَ الْمُفْتُوْنَ اور جسقدر محاصل اس موضع سے وصول ہوا تھا زر رہن میں سے سب مجرا دیکر باقی روپیہ راہن سے لے لیا۔ یہ بات دہلی میں آج تک مشہور ہے کہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب قدس سرہ اس احتیاط کے سبب کہ آموں کی فصل قبل پھل آنے کے عموماً فروخت ہو جاتی ہے جو شرعاً ناجائز ہے کبھی آم نہیں کھاتے

تھے - نواب صاحب نے اپنے علاقہ میں سختی سے اس شرعی احتیاط کو قائم رکھا تھا کہ جب تک کہ پورے طور پر پھل نہ آ جائے اُس وقت تک فصل فروخت نہ کی جائے چنانچہ اب تک وہ قاعدہ جاری ہی - اسی وجہ سے شاہ صاحب ہمیشہ جہانگیر آباد کا آم بغیر کسی عذر کے کھایا کرتے تھے -

ورع و تقویٰ

جن ایام میں نواب صاحب باشتباہ بغاوت قید و بند میں مبتلا تھے ایک وصیت نامہ بنام حمین فرزند محمد علی خاں صاحب وغیرہم تحریر فرما دیا تھا اُس میں بنظر انتظام جملہ متعلقین و متوسلین کے لیے مقدار مصارف بالتفصیل معین کر دی تھی - دیون کے ادا کرنے کی تاکید تھی - بعد وفات قضا روزوں کے کفارہ ادا کرنے کی ہدایت تھی - ان وصایا کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہی کہ آپ احکام شرعی کی بجا آوری میں کیسے راسخ اور ثابت قدم تھے اور خدا کی ذات پر کسقدر بھروسہ رکھتے تھے - آپ نے اس وصیت نامہ میں منجملہ دیگر امور کے رمضان شریف کے روزوں کے قضا کا حساب اور اس کے کفارہ کے ادا کی تاکید جن الفاظ میں لکھی ہے وہ یہ ہیں

"میرے اوپر رمضان شریف کے روزے ہیں خوب یاد نہیں مگر احتیاطاً دس رمضان کے لکھ لیتا جس کے دس مہینے ہوے ہر روزہ کی بابت ایک شخص

مسلمان کو دو سیر گندم چاہئیں جس کے مہینہ کے ڈیڑھ من ہوئے تو دس مہینے کے پندرہ من ہوئے ان کا دینا ضرور ہے مگر میری موت کے بعد کس واسطے کہ زندگی میں یہ کفّارہ ادا نہیں ہوتا پس جب میری موت کا حال سُن لو جو شخص اُس وقت میں زندہ ہو وہ پندرہ من گیہوں کہ ایک ایک فقیر کو دو دو سیر گیہوں دے۔"

سفرِ حجاز نواب صاحب نے یہ مبارک سفر[1] ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کو شروع کیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ اور نانی صاحبہ اور چند متوسلین ہمراہ تھے۔ بمبئی تک منزل بمنزل خشکی کا راستہ طے کیا اثنائے راہ میں اکثر بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری کا موقعہ ملا اور اکثر اہل اللہ سے قدمبوسی کا شرف حاصل ہوا جس کی تفصیل آپ نے اپنے سفر نامہ میں لکھی ہے۔ جس کا فارسی نام بہرہ آورد اور عربی میں ترغیب السالک الی احسن المسالک ہے جو اُن کی حیات میں طبع ہو چکا تھا ان تاگزیر مشکلات

[1] آپ نے اپنا سفر نامہ جو دراصل اس مقدس سفر کا تاریخی روزنامچہ ہے نہایت تفصیل کے ساتھ شستہ فارسی میں مرتب فرمایا تھا۔ جس کا عربی نام ترغیب السالک الی احسن المسالک اور فارسی بہرہ آورد ہے۔ آپ کی زندگی میں شایع ہو گیا تھا۔ ۱۹۱۰ء میں اس کا اُردو ترجمہ سید زین العابدین صاحب بی۔ اے منصرم السنۂ شرقی فرخ آباد نے شایع کیا جس کا نام سراج منیر ہے۔ یہ ترجمہ بہت مقبول ہوا اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا۔ نواب صاحب کی دیگر تصانیف کے سلسلہ میں اس کتاب کا ذکر بھی ملاحظہ ہو۔

کے علاوہ جو ۱۸۵۷ء سے قبل برّی و بحری سفر میں حجاج کو پیش آیا کرتی تھیں نواب صاحب مرحوم کو ایک ہولناک واقعہ پیش آیا کہ حدیدہ سے آگے چلکر جہاز چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا اور مسافر کشتیوں کے ذریعہ سے ایک ویران جزیرے میں اُتار دیے گئے - جہاز میں سے سامان خوراک بھی کم ملا اور آب شیریں کے صرف آٹھ پیپے ہاتھ آئے اور ہمراہی دو سو سے زائد تھے - ایک ایک پیالہ پانی ہر شخص کو صبح و شام پینے کے لیے ملتا تھا - چار دن کے بعد سب کے مشورے سے نو آدمی ایک چھوٹی سی کشتی میں بیٹھکر ساحل کی تلاش میں روانہ ہوئے وہ سات روز کے بعد ساحل بحر کی ایک بستی میں پہنچے اور اپنے قافلہ کی مصیبت بیان کی وہاں کے حاکم نے سات کشتیاں مصیبت زدوں کی امداد کے لیے بھیجیں - جب اس جزیرے کا پتہ نہ لگا تو پانچ واپس چلی گئیں - لیکن دو کشتیاں ہمت کرکے بحر عجم کی طرف بڑھیں جن کو یہ جزیرہ مل گیا - ان دو کشتیوں کو دیکھکر سب خوش ہوئے جتنے آدمی سما سکے ساحل کی طرف روانہ کیے گئے - مگر اس بڑے وقت میں نواب صاحب اُن لوگوں کے ساتھ رہے جو روانہ نہو سکے تھے اور محض فضل خداوندی پر بھروسا کرکے اُسی ویرانے میں پڑے رہے چند روز کے بعد دو کشتیاں اُسی حاکم کی

بھیجی ہوئی اور آپہنچیں مگر طوفان کی وجہ سے دس دن تک روانگی ملتوی کرنی پڑی جب طوفان فرو ہوا تو نواب صاحب مع بقیہ ہمراہیان کے چل پڑے اور وہ سب سے آخر شخص تھے جو کشتی پر سوار ہوئے بالآخر ساحل لیث پر بخیر و سلامت جا اترے اور وہاں سے براہ یمن عازم مکہ معظمہ ہوئے۔ اس واقعہ کو نواب صاحب نے اپنے سفر نامہ "برہ آورد" میں زبان فارسی میں حسب ذیل الفاظ میں تحریر فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں:—

ع اَنَا الْغَرِیْقُ فَمَا خَوْفِیْ مِنَ الْبَلَلِ - بہمہ حال بدیں نوع باں جزیرہ رسیدہ جزیرہ بود چہ جزیرہ کہ چشم حاسد ازاں فراخ تر باشد و دل لئیم ازاں کشادہ تر و معہذا نہالے کہ بسایۂ آں تواں نشست و نہ درختے کہ از میوہ آں بہرہ تواں برداشت نہ آب را درآں وجودی و نہ دانہ را درآں نمودی نہ راہی کہ ازاں جا تواں گزشت و نہ ساحلی کہ باں جا تواں رسید حال جزیرہ بایں خرابی کہ گفتم و سفینہ بآں زبونی کہ شنیدی اکنوں چہ باید کرد چوں چارہ دگر نہ بود لاجرم بجزیرہ فرود آمدن تا اجل مقدر ہمدراں جا گزرانیدن ضرورت افتاد ہرچہ ازاں اسباب و کالا از آب بالا بود از جہاز بدریا انداختہ آمد کہ تدبیر فرود آوردن ایں بود و بس پس ہرچہ

پیش ما ماندنی بود بحکم خالق بحر و بر باد شرط و موج دریا شرط زورق و ملاحی بجا
آورده بما سپرده و هر آنچه رفتنی بود بسمت دیگر برد و سپاس خدای را عزوجل
که بسیار آمد و کمتر رفت اما دراں حال نه از رفتن حزنی و نه از آمدن سروری
و همچنیں بما میل آب شیرین بدریا انداخته شد رفتنی رفت و آمدنی آمد و
کذلک از اجناس خوردنی هر چه برآوردن آں در حوصله امکان گنجید و اکثرش
برنج و باجره بود که اهل کشتی بتجارت بار کرده بودند بعد فرونشستن غوغا چاره
سگالی را بزم آراست و از پئے رائی زدن نشست گفتگوی بمیان آمد این
بود آب دو دانه درینجا وجودی ندارد و آب موجود هشت بر مهل و مردم زیاده
بر دو صد کس و پیداست که اینقدر آب سرمایهٔ چند روزه تواند شد و تا خبر
بجائے نرسد رسیدن سفینه معلوم و راه خبر بسته اند چکنیم تا گره از کار کشاید
همه بیک حرف زبان کشودند که کار از دست رفته است و آب از سر گذشته
تدبیری ندانیم و چاره نمی توانیم جز اینکه دراں کوچک سفینه تنے چند از سر جان
برخیزیم و نشینیم تا چه پیش آید و از پس پردهٔ غیب چه رو نماید هر چند اندیشه
بر نتابد که چنیں کشتی از چناں دریا بسلامت بگذرد امّا اندیشه یعنی چه آنجا خوف
اگر از آب بحر است اینجا از آتش عطش نرسیده عذاب تشنه میری از آب

چوں تواند ترسید لاچارم بحکم الغریق یتشبث بکل حشیش دراں زبون زورق
که حشیشے بیش نبود نه ده تن را که بعضے ازاں خود وسر خیل آں مولانا افضل علی
بودند باچندے از کشتی باناں ویکے مولوی برہان الدین که بامگارنده
ایں فرخ نامه مواسات تمام دارند در بمبئی ایشاں را آشناسا آید از
اہل پنجاب اند فطرتی سلیم وفکرتی مستقیم ایشاں راست دوچ سال
گزارده حالیا بعزم سکونت دراشرب البلا وقبله کل حاضر وباویم نشستند بعد
انقضاے چہار روز بریں واہیه بتاریخ چہارم شوال توکلا علی الله شابنده
وسر واده رحمت الٰہی را منتظر نشستیم ہر سحر که می خیزیم رو بدریا می خیزیم و
ہر شام که می خوابیم بر فسانه سفینه می خوابیم دوازده روز از رفتن کشتی وشانزده
روز از شکستن جہاز سپری گشت تا شام گاہے دو کشتی خرد نمودار شد
وشب سیاه را امداد پدید آمد مپرس از شادی آں زماں که فلک در
دریا از ہلال روز عید بر فلک دلاویز تر می نمود دانستیم رفتگان آمدند
چوں ملاحاں فرود شدند دیدیم یکے از آناں نیست در شگفت زار افتادیم
ہنگام پرس وجو بدینگونه داستان سرائی کردند که بعد ہفت روز فرستادگان
شما به قنفذه که کوچک معموره است بر ساحل دریا رسیدند و پیش گاه حاکم

که عرب دوله خواند ماجرا گزار آمدند و بیماری او با هفت سنبوق ره پیما شدند
چند شبانه روز میانه دریا بهم تفحص جزیره پرداختم چو از جزیره سراغی ننمود ملا
آن پنج کشتی را بسمت قنفذه برگردانیدند چندانکه مولانا فضل علی و دیگران
منع کردند سودے نداشت و دلیری نموده بسمت بحر عجم گرم تلاش شدیم
شکر لله که سعی ما مشکور آمد و گوهر مراد بکف افتاد القصه در دو زورق خورد دو
کوب این حجم غفیر صورتی نداشت لاجرم یکے را بعد سه روز و یکے را بعد شش روز
هر قدر مردم که گنجیدند نشانیده سوار شد و خود تکیه بر لطف کارساز نموده
همراه آن شورش کده توقف پذیر آمد لعل الله یحدث بعد ذلک امرا۔
از انجا که خداوندگار را با بندگان خود رحمتی برتر از وصف است بروز بست و پنجم
از شکستن کشتی دو کشتی دیگر مشاهده شدند ظن بدانها به رنگ و بوے داشت
که نفحات یقین بدماغ میرسید که مدهوشان ما را جنبش نسیم توفیق بجا آورد
و گم کرده راهان ما را خضر تحقیق از آواره خرامی استانید چون بکنار میرسیدند
باز همان نواهاے ناآشناست و همان شمائل هاے بیگانه تا هنگامه گفت
و شنود آغاز و زبان سرگرم پرسش را از گشت وا نمودند که آن پنج کشتی که
ره بجاے نبرد و راه قنفذه گرفته بودند همان بود و باز گردیدن همان که

بهر را ازین معنی غضب در گرفت و قهرش فرو ننشست تا از جاے برنخاستیم
یک کشتی دیگر افزود و چند روز بهم جستیم عاقبت از تلاطم امواج و جوشش باد جدا
شدیم که بالحسب بخت و اتفاق بساحل مقصود گزر کردیم شعر آواره گیست رهبر
روادی محبت طوفان بود معلم دریاے بیکران را - از کار دیگران بیخبریم که هنوز
آب بکیل می پیمایند و باد در هاون میسایند یا عزم خانه کردند و یا بسوے وطن
آوردند بعد رسیدند سفاین عزم جزم شد که این بار بهر طور جمله مردمان را بگنجانیم
غایت الامر از سامان و اسباب هر چه نگنجد بگذاریم این خیال مصمم شد و عزم
روانگی در پیش آمد مقارن آن حال طوفان باد و جوش باران و اضطراب
امواج پدید آمد سفاین صغیره را چه یارا که درین ناهنگام پا از حد خویش فراتر
نهند مصرع چراغ مرا باد و باران لبی است آده روز سبب توقف این شد
چون هنگامه ابر و باد فرو نشست بعزم سفر برخاستیم و بتاریخ پنجم شهر ذیقعده
وقت عصر آنحضرا ابهر را جیر باد گفته در کشتی نشستیم و رخ بسمت لیث کردیم شماره
ایام اقامت آن جزیره یک ماه و پنج روز است چون دریاے عجم موجی
نه باندازه و ار دغالب بیم هلاک بود و بحریان خطرناک اما آنجا که صیانت
ایزدی باشد بهیچ آب و آتش گزند نتواند رسانید سالماً و غانماً بتاریخ

هشتم نصف النهار بساحل لیث رسیدیم الحمد للہ علی ذلک حمداً کثیراً
ان للہ ہر شہور اً وجوراً وکان امر اللہ قدراً مقدوراً حالیا پیش ازانکہ سخن
از باب دگر گویم ماجرائے آب بر زبان آریم کہ باآں مایہ کمی تا ایں زمانہ دراز
باینہمہ مردم کہ اندازہ کثرت شان پیشتر گرفتہ چوں وفا کرد تا بدائع قدرت کاملہ
آفریدگار دریابی بشنو کہ جامی شام وجامی پگاہ چوں ساغر مہر وکاسہ ماہ بخشش
ہر یکے بود وبایں احتیاط چشم آں بنود تا پانزدہ بست روز روئے آب بینیم
وہنگامہ ہنگام قسمت دیدنی داشت ہر چند کہ کس بینا و اما بمثالے روشن
نادیدہ بدیدہ مردم جلوہ دہم وباہجوم تشنگاں گرد صاحب تقسیم بمثابہ انبوہ
بادہ خوار ان چپ وراست میفروش باہماں جوش وہماں خروش عطش
زدہ پیش بسوئے آب چوں مستی بپائے خم شراب بیخود افتادہ تشنہ را باکاسہ
آب آں معاملتی کہ می نوشی را با جام بادہ یکے تواسے العطش العطش بگنبد مینائی
رسانیدہ یکے زمزمہ پیمانہ گراں تر دہ باآں سیر آہنگی سرودہ کہ زہرہ از غصہ
بزم نشاط بر چیدہ اسے حسرتی نہ بیروبم پیش کش سخن سادہ گوئی داستان
ماتم را باد وف وبی مسرائے شعر ور دانگیز را بصوت حزیں درد انگیز تر مکن
حدیث پر شور بملاحت بیان نمکین تر مساز افیون در شراب میامیز پرکالہ

دل باسرشک مریز از نظیر و مثال بگذر ساده بر سر داستان طرازی شو بگو تا دگر
چه می گویی چون درد و جام که قسمت میشد رفع عطش از کجا نان پختن را سرمایه کو
ناکام پخت طعام از آب شور بود تر اوش ابر رحمت بیں که سحابی آمد و بارانی
باریدن معا کہا کند بیدند و آوند ہا نہادند قدرے آب فراہم آمد و دو سہ روز را سامان
شراب و طعام بر وجہ بایست مہیا گشت - ازیں پس بخاطر حقیر گذرانیدند اگر
آب دریا چون عرق بکشیدن آید شاید که بکشیدن آرند و نوشیدن را شاید امتحان درست
اندیشه و انمود سلمنا طعم عرق داشت اما در اجائگاه نوشیدن تر از آب حیات
و شیریں تر از شراب قند و نبات بود طول کوتاه دریں ہنگام که پیدا صورت
سختی داشت پنہاں چه موہبت ہائے جلیل و عطیه ہائے جمیل که ارزانی نداشتند
اگر ہمه بگذارم از تہمت ریا و سمعه می ترسم و اگر ہمه را گذارم از نعمت کفران
نعمت می ہراسم نعمت ہا از خداوند دیده ام و اما بنعمت ربک فحدث شنید
خاموش چه توانم بود میگویم ہر چه بادا باد تاسی با یمن صحابه کیش نست چنگ
در دامن عبدالله بن عمر میزنم و باقتداے ایشاں زمزمه می سنجم خدا از آفت
ریا نگاه دارا و موہبت بخشتیں آں بود که دلی عطا کردند صبور و زبانی سپاس
گذار دل وقف ناخجرت ہا و لب سرگرم ثنا از بدایت تا نہایت ناشکیبی کم دیدا

پروردۂ ضمیر نگشت وازآغاز تا فرجام بیقراری درپس کوچہ مجہول ماند اگر باورداری کہ دروغ گفتن روا نیست سخن مرا باورکن ولاف مشناس وگزاف مداں و شگرف مگیر وایں نہ حد چوں منی بود ہر آئینہ لطفے بود از لطائف جل شانہ وعم نوالہ چوں لطف او کارفرما شود ذرّہ خورشیدی کند وقطرہ دریاے دگر دروادی بے آب ودانہ آب ودانہ چہ گونہ عطا فرمودند باز از چناں دشوار جاے چہ آساں برآوردند دیگر یکے ہم ازیں ہمہ آسیبی ندید وگزندی نیافت کارافتادہ شناسد کہ درصورت چنیں وقایع ایں معنی بس نادر است واروس وکالا ہم از بسیار اندکے واز صد یکے رفت شمارہ آلاے ایزدی از نیروی تنومنداں بالاتر است تا از ناتوانی چہ آید خوشتر آں است کہ سوال فراوانی نعم بیشمار تا روز شمار وخواستگاری مواہب بیحساب تا روز حساب نمودہ صرف نفس بد استان طرازی کند مستور مباد کہ بتاریخ نہم در لیث آمدیم قریہ مختصر لیست -

حج وزیارت بیت اللہ — وہاں سے براہ خشکی روانہ ہوکر منزل مقصود یعنی مکہ معظمہ پہنچے اور زیارت بیت اللہ کی مسرت نے تمام مصائب سفر کو بھلا دیا۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد نواب صاحب کی والدہ ماجدہ اور نانی صاحبہ نے

چار روز کے فصل سے یکے بعد دیگرے مکہ معظمہ میں سفر آخرت اختیار کیا۔ اور اسی خاک پاک میں جنت البقیع کے مقدس قبرستان میں مدفون ہوئیں۔

زیارت مدینہ منورہ

مکہ معظمہ میں دو ماہ پانچ روز قیام کرنے کے بعد آپ مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔ جس ذوق و شوق اور جس سچے خلوص کے ساتھ آقائے دو عالم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے تھے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوتا ہے۔[۱]

جب آپ کا قافلہ قریب شہر کے پہنچا شیخ الحرم تشریف لائے اور پوچھا کہ محمد مصطفے خاں نامی کوئی شخص اس قافلہ میں ہے۔ لوگوں نے اثبات میں جواب دیا۔ شیخ نے نواب صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "آپ میرے مہمان ہیں"۔ نواب صاحب نے جواب دیا "مجھے اس سے زیادہ کیا فخر ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ میں ابھی یہاں بالکل نووارد ہوں سر دست مجھکو

[۱] یہ واقعہ نواب صاحب نے اپنے سفرنامے میں نہیں لکھا ہے۔ بلکہ آپ نے اپنے ہمراہیوں میں سے ان اشخاص کو جنہیں اس واقعہ کا علم تھا ممانعت کر دی تھی کہ وہ کسی سے اس امر کا ذکر نہ کریں۔ حضرت مولوی محمد احمد جان صاحب خلیفہ شاہ عبدالغنی صاحب برادر اکبر مولوی سمیع اللہ خاں صاحب سی۔ ایم۔ جی۔ مرحوم جو نواب صاحب مرحوم کے دوست اور پیر بھائی تھے اس واقعہ سے واقف تھے۔ لیکن انھوں نے بھی نواب صاحب سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ وہ انکی زندگی میں اس واقعہ کا اعادہ نہ کریں گے مگر نواب صاحب کی سوم کی مجلس کے بعد اسکا تذکرہ کیا تھا۔

اس عزت سے معاف فرمایا جائے" اس پر شیخ نے صاف طور پر اپنے تشریف لانے کی وجہ بتائی اور فرمایا کہ "نہ میری مجال کہ معافی دوں نہ آپ کی طاقت کہ آپ معافی مانگ سکیں۔ اس لیے کہ "مجھکو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوا ہے کہ میں جاکر حضور کی طرف سے شرط مہمانی بجا لاؤں" یہ سنتے ہی آپ پر ایک حالت وجد طاری ہوگئی"

سفر طائف مدینہ منورہ میں ۳۹ روز مقیم رہنے کے بعد مکہ معظمہ کو واپس ہوئے اور مکہ معظمہ سے طائف تشریف لے گئے۔ یہاں کے قابل دید مقامات دیکھے اور جو یادگاریں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی موجود تھیں اُن کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

استغنا قیام مکہ معظمہ کے زمانہ میں مسجد حرام میں ایک کردستانی[1] بزرگ نے یہ معلوم کر کے کہ نواب صاحب کی کشتی ٹوٹ گئی تھی سرمایہ تلف ہوگیا ہوگا

---

[1] روزی از روزہا بعد نماز در مسجد الحرام نشستہ بودم عزیزی از کردستان پہلوے من بود گفت پارسی دانی گفتم آرے گفت تونہ آنی کہ کشتی تو شکست گفتم آری گفت این نہ بیت اللہ است گفتم آری گفت نہ این جائے خلاف نیست گفتم آری گفت ما شنیدم کہ عزیزے را کشتی شکست مرا از غصہ جگر خون است و انم ساز و سامان رفتہ باشد و برگ و نوا تلف گشتہ خاکی پیش من است بگیر و ساز برگی بساز این بگفت و کاغذی پیچیدہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵ پر دیکھو)

نامہ کہ محال بخیال آمدہ منشار شبہ گشتہ خیالیست او ہن من نسج العنکبوت پنہان
مباد کہ در ماہ گذشتہ خلاف افتاد جمہور براں بودند کہ ہلال ذیقعدہ بروز بست
و نہم شوال جلوہ گر گشت و بعضی روز سی ام اسلخ می دانستند و مقبول اہل جہانگیر آباد
قول اول بود و اکثر ارباب شاہجہان آباد را بتقریب ملاحظہ تواریخ مراسلات
شان با خود موافق یافتہ این بود کہ بست و پنجم ذیقعدہ بعنوان مکتوب مکتوب
گشت نمی دانستم کہ ملازمان بقول مرجوح گرویدہ اند پس بحسب حساب مختار
خدام بست و پنجم بست و چہارم خواہد بود درین حال رقیمہ مرقومہ بست و پنجم از
جہانگیر آباد بہ بست و پنجم بدہلی رسیدن از مستبعدات نیست فضلاً عن الحالات
کما وقع والسلام مکتوبہ سوم ذی الحجہ سال ہزار و دو بست و چہل و نہ ۱۲۴۹ نامہ چہاردہم ۱۴
بنام جناب مولانا صدر الدین خان بہادر آزردہ خواجہ بندہ نواز سلامت با چنین
شوقیکہ من دارم ندانم سد راہ کیست و با این بیطاقتی تاب شکن حیرانم کہ با عث
ضبط چیست مگر تغافل خدام از فوز این نعمت محروم پسندیدہ کہ تا مقناطیس تجذ
نکشد آہن را الشرف پا بوس سر بفلک کشیدن محالست و تا شمع چشمک
نزند پروانہ را ہوس گرد سر گردیدن درتہ بال الکنوں کہ لختی بوے التفاتی می
ستشنوم مژدہ ایست کہ زود رنگ انجمن رشک چمن می بینم فرد

لطفش به بزم دلکش او حسرتے کشد * چوں بوئے گل بباغ برد عندلیب را

بعد عمری جاں نواز نامه نواخت و پس از دیر باز سامی صحیفه در نظر خویشم
گرامی ساخت هر چند شکر و شکایت سزاوار است امّا خامشم که اجتماع ضدین
بیرون از حیّز اختیار است در باب فتحیاب جانب حریم نواب حمید الدوله بهادر
که فرمان رفته است درو ندا دل فتوری در بستان سرا بر زبان آمده ابواب
تعجب کشود که ملازمان چرا باجابت سوال در لطف بر روے شان وا نمودند و
رنج انتظار فرمان این فرمان پذیر بموکلان آں بروند منکه بفرمان شما رخنه در
کاخ روئین و سوراخ در سدّ اسکندر کنم تا باین دیوار گل چه می کردم قصر اگر قصر
بهشت است و باغ اگر باغ جنت از دوستاں دریغ داشتن روا نیست
که رخنه در بنیان مهر و وفا بیفتد که اصلاح آں سهل است و درستی این مشکل
و دشوار را بر آسان پذیرفتن شرط خردمندی نیست تا مقتضاے محبت و وداد
چه باشد والسلام بالوف الغرام در ماه حج سال هزار و دو بیست و چهل و نه بساعت
اول آخر ایام تشریق بقلم آمد نامه پانزدهم سبحان الله مثنوی گوهر جوی را
فروشنده خزف ریزه در دکّان پیش آوردن بے آزرمی در دسر تافتن تا فرمانی
بخشش پذیرا افتاد که و همین نامقبول تر بود مصرع گر قبول افتد زہے عز و شرف ۔

غزل

مزن طعنه کاین نقش مشکل نشیند
که بر تربت کشته قاتل نشیند

نه خود را که از ره برد عاملی را
حکیمی که در فکر باطل نشیند

همه عمر خود را بحسرت فروشد
در آنم که کس از تو غافل نشیند

کشم ناز آهیکه از سینه خیزد
دهم داد تیریکه در دل نشیند

تو بر دام خود تکیه داری وگرنه
ندیدم که صیاد غافل نشیند

نه پیش تو فرزانه دیوانه خیزد
ببزم تو دیوانه عاقل نشیند

بجوئی جدائی که گوهر فشاند
بپوئی براهی که سائل نشیند

چو رامم کنی فارغ از من نباشی
که آسان رمد آنکه مشکل نشیند

فزون از دو دم خسته در خون نغلطد
بگوئید کاسوده قاتل نشیند

بنوان حسرتی چون تمامست کارش
ز خلوت بر آید بمحفل نشیند

نامهٔ شانزدهم مصرع بابا بالتفات نه این چه ماجراست - تغافل
از حد گذشت تحمل را مجال نماند چه کرده ام که چنین می رود ندیده ام که خواجه بنده را
این ناروا روش پرورش فرماید نشنیده ام که دوست با دوست چنین [illegible]
ره زیست نماید خدارا این نو آئین آموز که بود این شیوه [illegible]

جدّت پسند از کجا بود علاج بمثل نیز قسمی از معالجه است هم بدین جاده خرامشش
بیجواستم امّا ازین ژرف نای گذشتن را تاب کو **بیت**

اگر تو فارغی از حال دوستان یارا ❊ فراغت از تو میسّر نمی شود ما را

نامۂ هفدهم بنام نواب عبدالله خاں بهادر پایه افزا صاحب والانامه آمد و مژده
اعتبارم داد اگر موالات پذیر جاه دگر دهد و اسچ دگر فرمان رفته است که عطیه
بلاشرط خدمت که فرمان روای میرٹھ بما نے مفتی محمد قلی صدر الصدور ازین رو که با
دل خوش نمی دارد بیجو استگاری او از آن پایه صدر خواسته است بعالی خدمت باز
گویم بدایت این حکایت خود بضمیر منجلی نظیر عکس افگن شده است بنابران سخن
از ماجرای نشنوده میرود که ارباب صدر چنین پاسخ باز داده اند که این آرزو تا از
زبان متمنی برنیاید بی استدعای مستدعی امری صورت نمی بندد و کاری از
کشاید و ستنش نه بسته اند و قلمش شکسته چون خواهش از قبل حاکم من تلقاء نفس
خودش بود نه بتمنای مفتی بعد ازین مصلحت ندید الا سکوت فسبحان من بیده
الامر وله العظمة والکبریاء والجبروت و از اراجیف عوام دیگر نیز هست
پذیرفتن نشاید و نوشتن نباید بالجمله هنگام درخورد با حاکم در مطلب مطلوب
و پیشگاهش ذکری می کنم خاطر آئینه آئین جمع و تابش لمعهٔ اقبال جگرسوز

مستهلّ شعبان سنہ ہزار و دو صد و پنجاہ و یک بضبط تحریر آمد نامۂ نجابت ہم
ایضاً بنام نواب عبداللہ خاں بہادر نشتاقنو از احادیث شوق کہ گزین داستانے ست
از کارنامۂ عشق نہ چنان بسنت فرسود روزگار شدہ کہ تمنائے کوہکن بوصل شیریں
باور نکردن از بدگمانی باشد بدگمانی را آں مایہ روز بہ بازار کہ در عداوت دیوانہ
بجاہ باشد ہمی خاطر شکستہ اند و ساختن در چار سوے سادہ لوحی شالستہ منزلی
بدست آوردن است پس مرا چہ افتاد کہ در پوستین خویشتن افتم و گروہی را بسوے
سوءظن خوانم و قومی را سادہ دل لقب نہم گرفتم کہ گنج دل خالی میشود و مرا دل دارستہ
از نیک و بد زمانہ و خاطر فارغ از ردّ و قبول روزگار و ہرگاہ سود و زیان خود جمع
و پریشان نکند دوستان را چہ محل شکایت و دشمنان را چہ مجال سرزنش امّا
ننگ تنگ حوصلگی را چہ درمان ہماں بہتر کہ راز درون در میان نہم و جدائی
را در عرصۂ اختلاف گنجا ندہم مرا کہ چمن آرائے ائتلاف و آشنائی کردہ اند حیف
باشد کہ خار زار مخالفت و بیگانگی پیراستہ آید مسیح را دم جاں بخش دادہ اند آزار
مردم ندہد خضر را بلد راہ آفریدہ اند غول طریق نگردد سعادت را اقبال ہمال سعید اللہ
بساط ہم نزود **فرد**

گویند حرف شوق ز معنی تہی ست پس + اے حسرتے کنوں سخنے سر کنم

روزگاریست که همایون نامه دل را نیز چشم را فروغ و خاطر را فراغ کم می بخشد سر را السجده دوست را بتسلیم و زبان را بسپاس کمتر گستاخ می کند گناهی نرفته است پاداش چه است **بیت**

یارب چه کرده ایم که مخصوص جان ماست * این تیغ زهر داده که نامش تغافل است

داستان بفتنی محمد قلی بنمطیکه گوش از شنیدن سر برنتابد و دل از پذیرفتن بستوه نیاید در نامه سابق گذارده آمد **مصرع** دگر هر چه گویند افسانه است -

افسانه دراز شد و نه اینقدر فرمان وقت بود و شوق سگالد که هنوز سطرے از کتاب نوشته آمد و من در حجاب که بیهوده زحمت دوتن رفت لازم متعدی گشت خامه افگندم و نامه نوردیدم سلام سلامت انجام پذیرا باد - **نامه نوزدهم** [۱۹]

بنام نجم الدوله مرزا اسد الله خان بهادر غالب که گلشن بیخار تذکره مولفه راقم طلب فرموده بودند و هنوز با تمام نرسیده بود و جزوی چند با وجود ناتمامی ارسال یافت

سخن پناه سخنور امیدگاه سلامت اگرچه اندیر باز میدانم که ملازمان را بسوئے سفینه که بعرق ریزی فکرت پریشانم در گرد فراهم آمدن است علاقه خاطرے هست اما در آن بزم که بمی رسید بستگی چند فرا داشت یکے آنکه عرض خزف بے جوهر در نظر مشتریان گوهر نه اندک تشوّر است و پیش آوردن متاع کاسد در پیش خریداران

سرہ ندکم خجالتست دوم آنکہ ہنوز تشریف تمامی در بر نداشت بسا سخنور کہ سخن شناس
بنقطۂ انتخاب توشیح نیافتہ و فراوان زبان آور کہ ترجمۂ شان بضبط تحریر نیامدہ
اکنوں کہ آوازۂ کمن التفات نیازم آویزہ گوش گشت تامل را محل نماند حجاب در
نقاب شد ایں نوخاستہ شاہد شوخ و شنگ **مصرع** نیم پوشیدہ حلۂ بیباک
دراں انجم انجمن جلوہ گری می کند دریں صورت اگر بد لے جانکند صورت وارد و جا
دارد اما سخن را باآں او اشناس سخن نسبت قیس ولیلی ست اگر لیلی در نظر دیگراں
حسنی ندارد از کجا کہ دلربائے قیس ہم نیست **مصرع** عاشق بہیچ جلوہ سراپا شناخت
نامہ بستم[۲۰] بنام حکیم محمد مومن خاں صاحب مومن تخلص ـ گرامی برادرم مہر آگیں
نامۂ مہر جلوہ پرتو انداخت نوید روشن ستارگی آورد ستایش گر بہا بجو استم
روے دل ندیدم کسے را کہ زمانہ مدحت سرا باشد مرا چہ افتاد کہ تہمت ابنازی
برخود بندم فرمانست کہ فرماندہ مرادآباد را نامہ بنگارش آید خود از دیرباز مہ در سر است
باد وادوجستجو ہا جز اینقدر کہ ہم اختر است ہفت اختر است نشانی از قرار جاے او
بپایۂ انگشت دریں حالت نامہ برسالت کجا و کرا رساندا نیم بخیال است کہ زمان
فراہم آمدن پراگندہ طبعان ہند برساحل دریاے گنگ چندے وقت می خورشید
چوں آنزا وقت رسیدہ رسید نقش را اچند است یکے ہم در انجا سعوا منش

گیرد و باده ها هرچه نوید آرزو و شوق است که تواں نوشت

نامهٔ بیست و یکم ۲۱

بنام مرزا اسد الله خاں غالب محرّر ما غزل تازه ورود که بشمیم گل و لطف مل بود مرا از من ربود سرخوشم کرد و پابستم نمود بمستی ترانه سنجی بار آورد و زبان بگفتار کشود همدراں زمین گلی چند جلوه فرمود و گرفتم و دسته بستم که بزم خواجه فرستم آری آری گل گفتم نه از هوش است لیکن تو که گاهے از خود نرفته قدر بیهوشی را چه دانے خاموش

غزل

رحمی بکس نخورده و ممنون نکرده کس — در شهر کس نمانده که مفتوں نکرده کس

آزرده گر شوم بنگه شاد می کند — جز می علاج خاطر محزوں نکرده کس

ورنه ز صلائی جلوه و خلقی برشک سوخت — دست کرم کشاده و ممنون نکرده کس

تا وصل او ز بخت ندانم کدام جور — کاندر بروز فال همایوں نکرده کس

نازم به اهل عشق که برقتین غیرت است — رشکے بملک و جاه فریدوں نکرده کس

صد گونه اعتراض بگفتار بوعلی ست — تعریض بر طریقهٔ مجنوں نکرده کس

گر غیر و رشک غیر بروں کرده باش — از دل خیال بزم تو بیروں نکرده کس

اے دل ز جور یار شکایت چه می کنی — کس را بدور واله و مفتوں نکرده کس

خونم چکد ز دیده و برقم جهد ز لب — سویم بالتفات نظر چوں نکرده کس

نواب صاحب کی رسم و اتحاد مفتی صاحب سے نہایت مستحکم تھی۔ تذکرہ گلشن بیخار میں جہاں مفتی صاحب کا حال لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "ایسا کوئی دن نہیں ہوتا کہ مفتی صاحب سے ملاقات نہ ہوتی ہو۔ اور میرے اعتقاد میں جس روز ان کی مجالست کا شرف حاصل نہ ہو داخل ایام عمر نہیں ہے"

ہم کو معلوم ہوا ہے کہ دونوں بزرگوں کے دولت خانوں میں زیادہ فصل نہ تھا اس لیے اکثر باہم آمد و شد رہتی تھی۔ جب سفر حج سے واپس ہو کر نواب صاحب وارد بمبئی ہوئے تو مفتی صاحب کے خط کے جواب میں ایک قطعہ فارسی بیس شعر کا نواب صاحب نے لکھا تھا جس میں سے چند اشعار بطور یادگار ہم بھی لکھتے ہیں۔

بہر طواف کوئے تو اے مہر اوج فضل ÷ رو جانب زمین ز سما کردہ ایم ما

در کعبہ داستان مدیح تو خواندہ ایم ÷ وندر مدینہ بہ تو ثنا کردہ ایم ما

ہر جائے کان محل اجابت شمردہ اند ÷ حق وفائے مہر ادا کردہ ایم ما

اس قطعہ کو نواب[1] صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے اپنے تذکرہ موسومہ شمع انجمن میں درج

---

[1] نواب شیفتہ اور نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم سے خاص مراسم تھے جس کا ذکر خود نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنے تذکرہ شمع انجمن میں نواب صاحب مرحوم کے تذکرہ میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "محرر سطور در زمانہ قیام شاہجہان آباد کہ قریب دو سال خواہد بود بتقریب طلب علم در دولت کدۂ ایشاں بارے اقامت (بقیہ نوٹ صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ ہو)

کیا ہے۔

دائرہ احباب

نواب صاحب کی ذات گوناگوں صفات کی جامع تھی۔ اہل امارت میں امیر تھے تو ارباب فقر میں فقیر، طبقۂ علما میں عالم تھے تو زمرۂ شعرا میں شاعر اور اہلِ ادب میں ادیب۔ اس لیے آپ کا دائرہ احباب بھی بہت وسیع تھا۔ بعض اصحاب ہم فنی کے لحاظ سے آپ کی ملاقات و دوستی کو موجب فخر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳) افزود تا بقید حیات بود بخط و کتابت پادشاہ سفیر مود ترغیب السالک الی احسن المسالک و تذکرۂ گلستان بیخار و دیوان شعر فارسی و رسالہ آورد از تالیفات ایشان باقیست مسلک مذکور در ۱۲۷۳ھ از دہلی ہدیۃً نزد کاتب حروف فرستادہ و در ۱۲۷۴ھ بزمانہ برگشتگی افواج ہند ہرگاہ بتہمت غدر مبتلا شدہ بحبس افتاد محرر سطور بواسطہ بعض حکام سعی موفور در اخلاص بکار برد و حق تعالیٰ او را ازاں عقوبت نجات بخشید خطی بمحرر سطور نوشتہ بود کہ عبارتش بلفظہ این ست خط سامی کہ در زمان مبتلا بودن مخلص بہ بندیلا بنام صدر الصدور صاحب بہادر رسیدہ بود برطبق آں صاحب ممدوح آنچناں مساعی جمیلہ و کوششہائے نبیلہ فرمودند کہ صورت نجات مخلص بظہور رسید ازیں مقتضائے محبت ہائے سامی ہمیں بود این احسان فراموش شدنی نیست اکنوں نجات صوری رو داد و لیکن نجات معنوی باقیست یعنی جائداد و غیرہ وجوہ معاش ہنوز مطلق واگذاشت نشدہ این مقدمہ ہم باجلاس صدر الصدور موصوف رسید پس ضرورت افتاد کہ بآنجناب اطلاع کنم تا بنام شان خط سفارش چنانکہ سابق نوشتہ اند ترقیم فرمایند تحریر ہمیں قدر کہ بظہور این امر شکرگزار سامی خواہم شد فضول ست کہ میان ما و شما گنجائش ہیچ امور نیست کہ یاد از یگانگیہا میدہد و ظاہر ست کہ بار این منت بس عظیم خواہد بود مورخہ یکم شعبان سنہ ۱۲۷۵ ہجری انتہی چوں این خط آمد خطی دیگر بنام مومن علیخاں صدر الصدور ساکن سندیلہ نوشتہ شد و بنیہ و معاش بخشش و کوشش بسیار واگذاشت شد و للہ الحمد توفی رحمۃ اللہ تعالیٰ ۱۲"

سمجھتے تھے۔ بعض حضرات جو علم و فضل کے جوہر شناس تھے آپ سے رسم مودت پیدا کرتے تھے۔ ارباب طریقت بتقریب ہم مشربی آپ سے ملتے تھے۔ بعض سے مراسم امارت و ثروت کے تعلقات سے وابستہ تھے۔ ان میں سے بعض احباب کا ذکر جمیل حسب موقعہ اُن حالات کے ضمن میں آیا ہے۔ اُن کے علاوہ خاندان کمبوہاں سے بزرگان میرٹھ میں آپ کے احباب نواب احمد اللہ خاں و منشی ممتاز علی خاں (اس نام کے دو بزرگ تھے) اور حافظ عبدالکریم صاحب رئیس لال کرتی اور شیخ محمد صاحب تھانوی[۱] تھے۔

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے نواب صاحب کے رہنے کا اتفاق زیادہ تر جہانگیر آباد میں ہوتا تھا جہاں نہ دہلی کے سے علمی چرچے تھے نہ اہلِ کمال کا وہ جمگھٹا۔ اس لیے شعر و شاعری کا شغل بہت کم ہو گیا تھا اور در اصل جب سے زیارت حرمین شریفین سے واپس آئے آپ کسی دوسرے ہی حال میں تھے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

[۱] یہ مولوی شیخ محمد صاحب بڑے عالم زاہد اور صوفی مشرب بزرگ تھے تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں اُن کا مسکن تھا۔

اے شیفتہ ہم جب سے کہ آئے ہیں حرم سے ✤ شوقِ صنم و خواہشِ صہبا نہیں رکھتے

بلکہ تذکرہ گلشن بیخار کے دیکھنے سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ آپ نے سفر حجاز سے پہلے ہی اس شغل کو کم کر دیا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں "چوں ربط باین فن از دیگر اشغال عالیہ و فنون شریفہ باز می دارد اکنوں دیرگاہ ست کہ سرو کارم نیست مگر بتحریک محفلیان گاہے از واردات جدیدہ اتفاق می افتد آں ہم بعد سالے نہ کہ ماہے۔" مولانا حالی نے ضمیمہ کلیات نظم حالی میں جو دیباچہ لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب صاحب اپنی زندگی کے آخر چند سال میں بھی کبھی کبھی فارسی میں فکر سخن کرتے تھے غالباً اس کا سبب مولانا حالی کی وہاں موجودگی ہوگی۔ مولانا مرحوم بوجہ تعلق ملازمت ۱۸۶۳ء سے نواب صاحب کے اخیر وقت تک وہاں رہے تھے۔ مولانا حالی سے یہ بھی نقل ہے کہ نواب صاحب اواخر ایّام میں خواجہ حافظ کی روش پر فکر سخن کرتے تھے۔

اولاد نواب محمد علی خاں جو ریاست رامپور میں ریونیو ممبر رہے ہیں اور لارڈ لینسڈون کے زمانہ میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر بھی تھے فرزند اکبر تھے ۱۸۹۹ء میں راہی ملک عدم ہوئے۔

نواب نقشبند خاں دوسرے فرزند تھے ۱۸۸۷ء میں انتقال کیا۔ تیسرے

صاحبزادے نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب ہیں جو علم دوستی اور مکارم
اخلاق اور دین و دیانت و سخا و کرم میں اپنے والد بزرگوار کے صحیح جانشین ہیں
صوبہ متحدہ میں ڈسٹرکٹ ججی کے عہدہ پر ممتاز رہے۔ چار سال تک مدارالمہام
ریاست رام پور بھی رہے۔ اور اب پنشن یاب ہوکر ایم اے او کالج علی گڑھ میں
آنریری سکرٹری کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں خدائے تعالےٰ اُن
کی ذات ستودہ صفات سے تا دیر قوم کو مستفید ہونے کا موقعہ عطا فرمائے
ان کے علاوہ دو صاحبزادیاں تھیں جن کا انتقال ہوگیا ان کا عقد بھوپال میں
نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کے برادر خورد کے فرزندوں سے ہوا تھا۔

تصانیف و شاعری | اولاد کے ذکر کے بعد اب ہم آپ کی اولاد معنوی کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔
آپ کی شاعری کی ابتدا سن شعور کے شروع ہونے کے ساتھ ہی ہوگئی تھی اُردو
میں شیفتہ تخلص کرتے تھے اور فارسی میں حسرتی۔
دیوان ریختہ اکیس سال کی عمر میں مرتب فرما چکے تھے جو غدر ۱۸۵۷ء سے غالباً
دو تین سال پہلے مطبع آئینہ سکندری میرٹھ میں چھاپا گیا تھا۔ ایک غزل کا مقطع
بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے ؎

اے شیفتہ اس فن میں ہوں اک پیر طریقت ٭ گو عمر ہی میری ابھی اکیس برس کی

فارسی اور اُردو دونوں میں حکیم مومن خاں صاحب مومنؔ[۱] سے تلمذ تھا اور خان موصوف کی وفات کے بعد مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالبؔ سے مشورہ کرتے تھے۔

---

[۱] حکیم مومن خاں صاحب بھی نواب صاحب کی قابلیت سخن فہمی و سخن سنجی کی نہایت قدر فرماتے تھے۔ اکثر اوقات نواب صاحب ہی کی فرمایش سے فکر سخن کرتے تھے۔ اور اپنے کلام ریختہ کی تدوین بھی نواب صاحب ہی کو سپرد کی تھی۔ چنانچہ نواب صاحب نے تذکرہ گلشن بیخار میں جہاں حضرت مومن کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے "با این ہمہ صفات کہ مذکور شد بے تحریک محرکے بفکر سخن نمی پردازد۔ چنانچہ اکثر کلامش بخواہش داعی آثم صورت ظہور گرفتہ و ہم تدوین افکارش را فقیر باعث گشتہ۔ دیباچہ آنکہ ریختۂ خاصۂ من ست در آں بتفصیل ایں ماجرا بازکردہ ام"

مومن نے تذکرہ گلشن بیخار پر ایک تقریظ لکھی ہے جس میں نواب صاحب کی مدح ایک رباعی میں اس طرح کرتے ہیں۔ رباعی

آں شیفتہ کز خرد گرامی باشد ✤ سرخیل سخنوران نامی باشد
اکنوں کہ جسد نما ندالّا بعدم ✤ محمود ثنائی و نظامی باشد

اور پھر نواب صاحب کی سخن فہمی کی داد اس طرح دی ہے۔

زتحسین او حسن معنی نیاز ✤ ہزار آفریں برچنیں امتیاز

مومن نے ایک معما باسم نواب مصطفےٰ خاں بہادر لکھا تھا جو دیوان مومن میں موجود ہے۔

نوا بلبل کی بے لبس کر رہی ہے ✤ بہار اک جام بے جا بھر رہی ہے
صدا بے درد قمری کی بلا ہے ✤ سر طاقت بھی جس کا نقش پا ہے
فلک کو کل نہیں سب بے جور و بیداد ✤ سر کی کیا ہو گر ہے فصل جز داد
کہ وہ سرو خراماں یاں نہیں ہے ✤ سرور اپنا تو اب امکان نہیں ہے
بہار سبز پا کے پاؤں ٹوٹیں ✤ کہ درد بے حد حسرت سے چھوٹیں

نواب صاحب مرحوم اور مرزا سے جس زمانہ میں تعارف ہوا وہ نہ مانہ مرزا کی شاعری کے شباب کا نہ تھا جیسا کہ مرزا نے اپنے ایک خط میں جبکہ اُن سے اور نواب صاحب سے نئی نئی ملاقات ہوئی تھی نواب صاحب کی نسبت لکھا تھا "چوں دکان را کالا و زبان را حرف ہائے جگر آلا نماند۔ رونگار گران مایہ خریداری (یعنی نواب مصطفٰے خاں) پدید آورد کہ نقد رائج سخن خود را بہ بہائے گفتار ناسرۂ من میدہد و گوہر را بہ پلہ بجائگی خزف می نہد" رفتہ رفتہ باہم نہایت خلوص و اتحاد ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ قصیدہ جو مرزا نے نواب صاحب کی شان میں لکھا ہے ستاہد حال ہے اس میں سے چند شعر بطور تخلیص کے نقل کیے جاتے ہیں۔

آں ہمائے تیز پروازم کہ بال ❊ در ہوائے مصطفٰے خاں میزنم
عرفی و خاقانیش فرماں پذیر ❊ سکہ در شیراز و شروان میزنم
او خرامد مست و من چاوش وار ❊ بانگ بر اجرام دارکاں میزنم
گاشن کویش گذرگاہ من ست ❊ دوش در رفتن بر ضواں میزنم
خوبی خویشش بدآموز من ست ❊ دم ز یاری می زنم ہاں میزنم
مہر ورزی بیں کہ باشم ہمنشیں ❊ من کہ زانو پیش درباں میزنم

بشنودنے آنکہ باد آں رابرد ٭ نالہ گر در کنج زنداں میزنم
بنگرد نے آنکہ کلک آنرا کشد ٭ نقش گہ بہ صفحۂ جاں میزنم

مرزا نے "سبد چین" میں بھی ایک موقع پر لکھا ہی ؎

مصطفےٰ خاں کہ دریں واقعہ غمخوار من است ٭ گر بمیرم چہ غم از مرگ عزادار من است

کلام فارسی

نواب صاحب کا فارسی کلام حمد، تصوف، حکمت، اخلاق اور محبت کے اعلیٰ جذبات سے بھرا ہوا ہی اکثر مواقع پر غالب، مومن، صہبائی جیسے ماہرین فن نے اُن کے کلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہی۔ ہم نے اس سوانح عمری کے آخر میں اُن کے اُردو اور فارسی کلام پر جو مختصر ریویو اور دیگر شعرا کے کلام سے اُس کا موازنہ کیا ہی خود ناظرین کو اُس کے مطالعہ سے حسرتی کے کلام کا پایہ معلوم ہو جائے گا۔

کلام ریختہ

شیفتہ کا اُردو کلام بھی معمولی کلام نہیں ہے۔ گرمی اور لذت کے علاوہ جو ان کے کلام میں خداداد ہے اس میں وہ شکوہ الفاظ اور چستی ترکیب بھی پائی جاتی ہے جو کسی وقت سودا اور نصیر کا حصہ تھی اور ان کے کلام میں بندش الفاظ اور ترکیب کی روش کے لحاظ سے وہی خصوصیات موجود ہیں جن سے ان کے استاد مومن اور غالب کا کلام مالامال ہے جس طرح غالب میر کی اداؤں پہ

مرتے تھے۔ شیفتہ بھی میر کی سادگی کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اپنے
کلام میں میر کی سی روش پیدا کرنے کے آرزومند تھے فرمایا ہی ؎

نرالی سب سے ہی اپنی روش ای شیفتہ لیکن ✤ کبھی دلمیں ہوائے شیوۂ ہا میر پھرتی ہے

اُن کے کلام کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب
ہو گئے تھے۔ چنانچہ اپنے مقطع میں اُنھوں نے اپنی اُس کامیابی پر فخر کیا
ہی۔ ؎

شیفتہ سادہ بیانی نے بہت چمکایا ✤ ورنہ صنعت میں بہت لوگ ہیں بہتر ہم سے

سادہ اشعار سے جن میں میر کی جھلک صاف نمایاں ہی شیفتہ کا دیوان
بھرا پڑا ہی۔ مثلاً

شاید اسی کا نام محبت ہی شیفتہ ✤ اک آگ سی ہی سینہ کے اندر لگی ہوئی

مرنے کا مرے نہ ذکر کرنا ✤ قاصد وہ بہت الم کریں گے

دلّی میں تو شیفتہ ہی اُستاد ✤ ہم قصد سوئے عجم کریں گے

اظہار عشق اس سے نہ کرنا تھا شیفتہ ✤ یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا

دل لگانے کا ارادہ پھر ہی شاید شیفتہ ✤ ایسی حسرت سے جو ہی گزری ہوئی الفت کی یاد

ہائے وہ شیفتہ کی بیتابی ✤ تھام لینا وہ تیرے محمل کو

آخر میں متاخرین شعرا غالب۔ مومن۔ سالک۔ عارف۔ وغیرہ نے بھی یہ جدّت شروع کی تھی کہ قدما کے سپید سے خیالات اور معمولی اسالیب کو لفظی اور معنوی تصرف کے ساتھ ایک نئے سانچے میں ڈھال دیتے تھے اس قسم کی جدّت آفرینوں اور لطیف اور پاکیزہ تصرفات میں شیفتہ بھی اپنے اُستاد مومن خاں سے کچھ کم نہ تھے۔ ترکیبوں پر نظر ڈالی جائے تو وہ تراکیب جو مومن اور غالب کا خاص حصّہ تھیں سوائے شیفتہ کے کسی دوسرے کے یہاں مل ہی نہیں سکتیں مثلاً۔

فصل گل ہی میکدہ کا ساز و ساماں چاہیے + توبۂ ژولیدہ زیبِ طاقِ نسیاں چاہیے

بیٹھے ہیں اسقدر جو ادھر کی ہوا سے ہم + واقف ہیں شیوۂ دلِ شورش ادا سے ہم

ای مرگ آ کہ میری بھی رہ جائے آبرو + باندھا ہی سوگ اُس نے عدو کی وفات کا

سب سے بڑی خوبی یہ ہی کہ اُن کے کلام میں سنجیدگی اور متانت کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور اُن کی شاعری میں تہذیب کے پہلو کو کسی موقع پر نظر انداز نہیں کیا گیا ہی۔ خلاصہ یہ ہی کہ شیفتہ اپنے وقت کے اُستاد تھے اور اُنھوں نے جو کچھ کہا خوب کہا خود ہی فرماتے ہیں ؎

طرزِ سخن کہے وہ مسلّم ہے شیفتہ + دعوی زبان سے نہ کیجیے بیٹھے پا کیجیے

اس مختصر سوانح عمری کے ذیل میں شیفتہ کے کلام پر ریویو کی گنجائش نہیں نکل سکتی اس لیے ہم اس سوانح عمری کے آخر میں اُن کے کلام پر ایک نظر ڈالکر تصوف، پند و حکمت، حسن معانی، شوخی و ظرافت وغیرہ کی علیحدہ علیحدہ مثالیں ناظرین کے سامنے پیش کریں گے جس سے وہ خود شیفتہ کی قادر الکلامی کا اندازہ کر سکیں گے۔

رقعات فارسی

دیوان فارسی اور ریختہ کے علاوہ اس کلیات میں ہم نے حضرت شیفتہ کے رقعات فارسی کو بھی شامل کر دیا ہے جس سے فارسی میں اعلیٰ انشاپردازی اور بلاغت کا اظہار ہوتا ہے یہ مکاتیب جابجا تصوف سے مالامال ہیں۔

گلشن بیخار

اس کلیات کے علاوہ ان کی ایک اور مبسوط تصنیف تذکرۂ گلشن بیخار ہے۔ جو اُن کے سفر حجاز سے پہلے مکمل ہو کر شائع ہو چکا تھا۔ یعنی ۱۲۴۸ھ ہجری میں اس کی تصنیف شروع ہو کر ۱۲۵۰ھ میں ختم ہوئی اور وہ ۱۲۵۳ھ میں چھپکر شائع ہوا۔ اس تذکرہ میں اُس زمانہ کے شعرا کا اُردو کلام جمع کیا گیا ہے اور کلام سے پہلے ہر شاعر کا مختصر حال اور اُس کے کلام کی نسبت رائے فارسی زبان میں لکھی ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ اُردو کو یہ مرتبہ حاصل نہیں تھا

تھا کہ اہل علم اُس کے ذریعہ سے اپنے خیالات کا اظہار کریں اس لیے جملہ تصانیف
حتیٰ کہ باہمی خط وکتابت کا کام بھی فارسی ہی سے لیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے
کہ شیفتہ نے بھی اُردو تذکرہ میں شعرا کا حال لکھنے کے لیے فارسی زبان کو پسند
کیا۔ شیفتہ کے زمانہ میں یا اُس کے قریب، اور شعرا نے بھی تذکرے لکھے ہیں
لیکن گلشنِ بیخار میں ایک خصوصیت نظر آتی ہے جو اوروں میں نہیں پائی
جاتی وہ شعرا کے کلام پر آزادانہ نکتہ چینی ہے چونکہ اس سے پہلے لوگ تذکروں
میں سوائے تعریف کے تنقید دیکھنے کے عادی نہ تھے اس لیے بعض شعرا کے
مقلدین کو شیفتہ کی یہ طرز نہایت ناگوار گزری۔ نظیر اکبر آبادی کے ایک
شاگرد نے یہاں تک کیا کہ تذکرہ گلشنِ بیخار کے جواب میں ایک نیا تذکرہ
گلستانِ بیخزاں کے نام سے تصنیف کر ڈالا اور اُس میں یہ التزام کیا کہ نواب
شیفتہ نے جن شعرا کے کلام کی نسبت اچھی رائے دی تھی اُنھوں نے
اُن کی بُرائی لکھی اور شیفتہ نے جس کی نکتہ چینی کی تھی اُن کی تعریف کی۔
یعنی دن کو رات اور رات کو دن ثابت کرنے کی کوشش کی اور اب اس
آخر زمانہ میں جبکہ فنِ تنقید سے ہماری زبان خاصی طرح روشناس ہو چکی ہے
پروفیسر[1] آزاد کے ولیم سید انشا کی نسبت شیفتہ کی آزادانہ رائے دیکھکر

۱؎ پروفیسر آزاد کے الفاظ یہ ہیں: نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کا گلشنِ بیخار جب دیکھتا ہوں (بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵ پر دیکھو)

کٹار کا تو زخم لگا ہے۔ شیفتہ نے اگر سید انشا کی نسبت یہ لکھا کہ۔
"دیوانے دارد مشتمل بر اصناف سخن و ہیچ صنعت را بطریقۂ راسخہ شعر انگفتہ۔
اما در شوخی طبع و جودت ذہنی او شکے نیست"
تو کیا گناہ کیا۔ مولانا آزاد نے سید انشا کی وکالت کا حق ادا کرتے ہوئے
دربار لکھنؤ کی حالت دکھا کر یہ ثابت کیا ہے کہ انشا ہزل گوئی پر مجبور تھے۔ گویا
اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ انشا کا کلام مجبوریوں کی وجہ سے ایسا ہوتا تھا جو
پائے اعتبار سے ساقط سمجھا جاتا تھا۔ آخر میں انھوں نے اپنی بات کو
میاں بیتاب کا یہ قول لکھ کر ختم کیا ہے "سید انشا کے فضل و کمال کو
شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خاں کی مصاحبت نے
ڈبویا" شیفتہ نے بھی تو یہی کہا ہے کہ
"ہیچ صنعت را بطریقۂ راسخہ شعر انگفتہ" اب رہی یہ بات کہ سید انشا نے
دوسرے اساتذہ کے خلاف روش کیوں اختیار کی اس کے وجوہ لکھنے سے
کلام کی نوعیت میں فروغ نہیں آسکتا۔ اور اس لیے ایک بے لاگ تذکرہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴) تو خار نہیں کٹار کا زخم دل پہ لگتا ہے (تذکرہ آب حیات صفحہ ۲۶۲)

نویس کو وجوہ کی تلاش میں سر کھپانے کی ضرورت نہ تھی۔ بہرحال تذکرہ گلشن بیخار کی بے لوث رائیں کسی خاص گروہ کی آنکھوں میں کھٹکیں لیکن وہ اپنی آزادانہ تنقید کی وجہ سے آج جبکہ اس کی اشاعت کو اسی برس گذر چکے ہیں اسی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس نظر سے اسے مرزا غالب[۱] جیسے شخص نے دیکھا تھا۔

بره آورد

اگر ہم نواب صاحب کے سفرنامہ حجاز کا ذکر نہ کریں جس کی مدد سے ہمیں آپ کی زندگی کے حالات معلوم ہوئے ہیں تو ناانصافی ہوگی یہ سفرنامہ موسومہ "ترغیب السالک الی احسن المسالک" یا "برہ آورد" فارسی زبان میں

---

[۱] نواب صاحب نے اپنے مراسم کے لحاظ سے اس تذکرہ کا مسودہ چھپنے سے پہلے مرزا غالب کے دیکھنے کے لیے بھیجا تھا اس کو دیکھکر مرزا صاحب نے نواب صاحب کو جو خط لکھا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اسے کسقدر پسند کیا تھا۔ مرزا صاحب کے الفاظ یہ ہیں "تذکرہ ترتیب یافتہ و مجموعہ فراہم آمدہ کہ پیش طاق بلند نامے را نقش و نگار است و نہال نکو سرانجامی را برگ و بار" مرزا صاحب نے اس تذکرہ کی تقریظ بھی لکھی تھی جس کا اقتباس یہ ہے "ہمانا نواب ہمایوں آثار والاشان و خان فرخندہ فرہنگ پسندیدہ گفتار آزادہ و ارگرامی دانش اندوز و سخن گوی گرامی نہاد و مبارک نفس دولت مہر پیشہ وفاگوہر نواب مصطفٰے خاں بہادر کہ گلشن خیالش را فرشتہ بلبل است و چراغ فکرش را پری پروانہ سخنش سرخوشی را بادہ بیغش و افسردگی را از ہر ملاہل رقمش افسون گرد مہر و دوستی یال و بہ آشوب گاہ رشک دشمن کاہ بہ فراہم آوردن تذکرہ ریختہ گویان قدسی انجمنی بہ آراستہ و از تار و پود فیض ازل و حیات ابد نو آئین بخطے بہ ان بزم در افگندہ"

اس موقعہ پر مفتی صدر الدین صاحب کی تقریظ کا اقتباس بھی درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ناظرین ان دونوں مشاہیر کی رایوں کا اندازہ کرسکیں وہ لکھتے ہیں "وچگونہ چنیں نباشد کہ فراہم آوردہ سرآمد (بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷ پر ملاحظہ ہو)

لکھا گیا ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب جس طرح فن سخن میں ید طولےٰ رکھتے تھے اسی طرح وقائع نگاری کے انداز کو بھی خوب جانتے تھے آپ کا سفرنامہ کس اصول پر لکھا گیا ہے اس کا حال آپ کے اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے جو سفرنامہ مذکور میں ایک بزرگ کے حالات دوران میں آپ نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۶) "سخنوران یعنی گلشن انتخاب مجموعہ کمال و ہنر شاہ بیت سفینہ فالنیلا و استعداد بیت القصیدہ دیوان فضل و کمال خداداد فاتحہ صحیفہ کاملہ دولت و اقبال بسملہ نسخہ جامعہ محاسن شیم و مکارم خصال سواد خوان بہ رموز و اسرار و سواد و بیاض گزین فیض بافتگان مبدا رفیاض نسیم جانفزائے گلشن سخن طرازی بشمیم نافہ کشائی گلہائے چمن نکتہ پردازی والا فطرت بلند ہمت پاک نہاد نیکو روش قدسی نژاد صفوۃ منش پاکیزہ طینت روشن ضمیر کامل فرہنگ عدیم النظیر فہم مجسم ادراک متشکل نواب مصطفےٰ خاں بہادر متخلص بہ شیفتہ است لآلی منثور سخن طرازان را از نظم او پایہ بلند است و دیباچین منشور نکتہ پردازان را از فراہمی او پایہ ارجمند" حضرت مومن نے اس تذکرہ کی داد ایک قطعہ تاریخ لکھ کر دی تھی جو یہ ہے:-

کیا تذکرہ شیفتہ نے لکھا ‖ ہے شیفتہ جس کے جانِ معنے
یوں نکتہ شناس ہیں پر ایسا ‖ کوئی نہیں قدر دانِ معنے
افکار بلند سے بنایا ‖ ہے چرخ پر آسمانِ معنے
ہر فقرہ نثر جان مضموں ‖ ہر شعر رواں روانِ معنے
کیا بات ہے منتخب کی تیری ‖ اے منتخب جہانِ معنے
ہر لفظ انتخاب تیرا ‖ خالِ رخِ دلبرانِ معنے
تیرے جو سخن سے ہے سرافراز ‖ الفاظ کا پایہ شانِ معنے
معنے ہیں ثنا طرازِ الفاظ ‖ الفاظ ہیں مدح خوانِ معنے
اے تازہ بہارِ باغِ مضموں ‖ اے گلشنِ بے خزانِ معنے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸ پر ملاحظہ ہو)

تحریر فرمایا ہے "ایک کامل العقیدت صائب الرائے نے اُن کی خرق عادت کی ایک نقل میرے سامنے بیان کی میں نے قصد کیا کہ اس کو لکھوں لیکن چونکہ میری عادت ہے عجائبات لکھنے میں بہت احتیاط ہے لہذا میری طبیعت نے مجھ کو لکھنے سے باز رکھا۔"

آخری زمانہ میں جبکہ اُن کے ہمعصروں کا شمار رفتہ رفتہ کم ہوتا چلا جاتا تھا آپ نے عزلت گزینی اختیار کر لی تھی اور سوائے یادِ الٰہی کے اور کچھ شغل نہ تھا اکثر مزارات پر حاضری کا معمول تھا چنانچہ سبزی منڈی دہلی میں ایک بڑے بزرگ کا مزار ہے جو حضرت شاہ آفاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب واقع ہے وہاں اکثر حاضر ہوا کرتے تھے اور حضرت شاہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷)

ہے تذکرہ ریاضِ فردوس ⁂ فردوس ہے یا جنانِ معنے
موسن نے جب اسمیں دیر تک سیر کی ⁂ سرگل و جمرانِ معنے
آیا ہے خیالِ سالِ اتمام ⁂ تھا وہ بھی تو باغبانِ معنے
غنچہ کی طرح سے سر فرو تھا ⁂ یک چند وہ ہمزبانِ معنے
جب لغمہ سرا نہو سکا وہ ⁂ دستان زن داستانِ معنے
ہاتف نے کہا ہے اس کی تاریخ ⁂ گلدستہ گلستانِ معنے
۱۲ ۵۰

باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ نور الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر اکثر تشریف لیجاتے تھے۔ یا دہلی کے مشہور علما سے صحبت رہتی تھی۔ دنیاوی معاملات سے قطعی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی تمام ریاست کا کام اپنے فرزند اکبر نواب محمد علیخاں صاحب کے سپرد کردیا تھا۔ ہندو روسار دہلی آپ سے نہایت خلوص رکھتے تھے اور وہ آپ کو اپنے یہاں شادیوں میں باصرار بلاتے تھے لیکن جس وقت آپ تشریف لیجاتے تھے تمام ناچ رنگ موقوف ہوجاتا تھا۔

معاصرین کی رائیں نواب صاحب اور مرزا کی فارسی دیوانوں میں بعض غزلیں ایک ہی قافیہ ور دیف میں ملتی ہیں جن کے مقطعوں میں دونوں نے ایک دوسرے کے کلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ مثلاً نواب صاحب فرماتے ہیں۔

اے حسرتی اہمیں نہ غالب کہ از غزل ❊ آں کار می کند کہ بافسوں نہ کردہ کس

مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

غالب زحسرتی چہ سراید کہ در غزل ❊ چوں او تلاش معنی و مضمون نکردہ کس

سچ تو یہ ہے کہ مرزا غالب نواب حسرتی کی سخن فہمی و سخن سنجی کے اسقدر معتقد تھے

کہ ان کے نزدیک نواب ممدوح کے پسند شعرا کے حسن و قبح کے معیار بھی فرماتے ہیں۔ ؎

غالب بہ فن گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او ✤ ننوشت در دیوان غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نکرد

مرزا غالب مرحوم کی پنج آہنگ میں اُن کے بعض رقعات[1] ملتے ہیں جو انھوں نے

---

[1] حضرت سلامت۔ مرا کہ زبان در ستایش بیقرار است تا نبینید در سگالش گستاخ۔ امید کہ درا پایہ بزمرۂ خوش ادا گویاں شمردہ نشوم و بدیں پایۂ جرأت بزہ مند نگردم۔ بنا میزد تذکرہ ترتیب یافتہ و مجموعہ فراہم آمدہ کہ پیش طاق بلند نامی را نقش و نگار است و نہال نکو سرانجامی را برگ و بار۔ رہرو نظر چوں بہ پیدا و ناپیدا سے ذوق سخن گام تماشا بردارد توشۂ ہوا ازیں برکم نتواند بست۔ حقا با آنہمہ جگر تشنگی کہ سکندر داشت لبش بر نشحہ آبی تر نتوانست کرد و آں آب از در یا بخشیدن ابر و شما گہر ہا از دور و نزدیک سخن زندگانی جاوید بخشیدید و ایں لختی از عمر بکار دیگراں کردنست۔ جاوداں زندہ باشید کہ سخن گویاں از شما زندۂ جاوید شدند و ہمکنان بہ نکوئی نام بر آمد باری گہر نسفتن و خامہ گوہر بن انگشتن۔ نامہ در ردیف الف بنگارش اشعار پروین نثار حضرت آزردہ از چہ رو ست ہر چند ذکر خدام بہچنیں مقام درجہ بدیں فن نہ سزاوار شان فضیلت باشد لیکن اگر بمقتضاے فرط محبت جراتی بکار میرفت گناہی نبود و وجہ تلافی آں بپوزش نیاز می افتاد ہم در ردیف الف در باب گذارش حال حضرت آشوب فرو ماندہ کشاکش خیالم یعنی بدانست نامہ نگار آشوب از اعیان ساداتِ ایں دیار و نامش میر امداد علی و نام پدرش میر روشن علی خاں است در دیر نامہ با امداد علی بیگ مذکور شدہ چشم آں دارم کہ اندریں ہر دو باب بدل نشیں با سخ [illegible]

درفتر دیگر بقیہ نوٹ ایں صفحہ ۵۱ پر ملاحظہ ہو۔ ۱

نواب صاحب مرحوم کے نام لکھے تھے ان خطوط میں نواب صہری کی شاعری اور سخن سنجی کے متعلق مرزا نے اپنے دلچسپ ریمارک دیے ہیں علاوہ ازیں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۰) "بنواب مصطفے خاں بہادر۔

فرد - مردم ز فرط ذوق تسلی نمی شوم + یارب کجا بہم لب خنجر ستائی را

سخن گاہیے کہ دلم از درد شانہ چنانکہ مومن مہر پیشہ از رنج ہمسایہ در آزار باشد بیقرار بود و ستم از اشکم بیتابی دل رعشہ دار فرخندہ گلمرو شی از در در آمد و لب پیر دن بہار سامان نامہ گل بجیب تمنا ریختن ہر چند نامہ سپارس امید را کیمیا و دیدہ جان را توتیا آورد و تارک اقبال را افسر و پیکر آرزو را از نور بخشید۔ لیکن از انجا کہ آں قدسی سفاد ہمہ از شعر و غزل چوں نامہ اعمال زاہد از ذکر می و شاہد سادہ بود دل سودا زدہ بداں نیاسود و خمارم بداں یک دو جرعہ صہبا نشکست گفتم ہی ہی بمژدہ دیدارے کہ دل بہ نشاط آں تواں بستن و نہ کرشمہ غزلی کہ لب بزمزمہ آں تواں کشودن۔ ہر چند در از نفسے خواہش در آغاز حال بجز و شم آوردہ بود و میخواست کہ خواہی نخواہی غبار نالہ بہ پردہ گوش الہام نیوش نشاند۔ اما دور اندیشی فطرت با خودم در ستیزہ افگند و پس ازاں کہ برافتادن پردہ از روے کار و آشکار اگشتن راز نارسائی فہم و ناتمامی دانش من بہم نقصان خاطر نشان من شد۔ مرا از آہنگ عربدہ باز آورد و مہر خموشی بر دہان نہاد"۔ (رقعہ دیگر)

ولی نعمت طوطیان شکر خا سلامت۔ ہنوز گل افشانی گلبن التفات شش جہت را بہ غالیہ بیزی بوئے گل فرا گرفتہ بود یعنی نشاط ور۔ وہ بہاریں صحیفہ از دل بدر نرفتہ بود کہ نخل برومند لفظ افشاندن بار آغاز کرد و رسیدن ہشت اسبد انبہ در روضہائے فردوس بروی آرزو باز کرد زہے انبہ ہاے پاکیزہ شیریں از بیرون سو بشیر شستہ و از درون سو بشکر انباشتہ بتازگی آب از چشمہ خضر و با دم مسیح خوردہ و بشیرینی گوے از شکر و دل از خضر و بردہ بہ پاکیزگی گوہر آب روے (بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲ پر ملاحظہ ہو)

ان خطوط سے نواب صاحب ممدوح کی زندگی کے متعلق بھی بعض حالات پر

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۱) خانوادہ ابر و ہوا و بہ دلاویزی پیکر چشم و چراغ دودہ برگ و نوا بر نیسان تا ازین گراں ارز ثمر
دست مزد عرق ریزی سعی بجست دفتر از حساب زیاں زدگیہای روزگار گہر سازی نتوانست شست انگور اگر در ریشگی
دانستی کہ آب گشتن و بادہ ناب گشتن دیگر است و چاشنی خدا آفرید این شیرہ پاک دیگر ہرگز آب نخوردی و بار نیاوردی
تا درین ساختگی ہر دم در دسر ندادی نیشکر اگر در آغاز کار دوار سیدی کہ بگونہ گون فشار در آمدن و بسعی دیگراں بہ صورت
تنگ شکر بر آمدن دیگر است و گوارائی ازل آورد۔ این میوہ نغز دیگر ہرگز سر از خاک برنکردی و با ندازہ درازی
بالائے خویش بخاک فرو رفتی تا درین نمود داری بالی انگشت نما نشدی انچہ خامہ شکر فشاں بداں رفتہ کہ ازیں ثمرہائے
بیاہ برش یک نیمہ پختہ و نیمہ دیگر ہنوز خام است سبحان اللہ اگر میوۂ طوبی در پختگی بدیں رنگ و در خامی این چنیں غالیہ فام
است من ضامن کہ بہشتیاں بباد طہور نگرایند و سبز پوشان آں روضہ نتوانند کہ دل از ہیچکس ربایند۔ گفتم انچہ بہ پختگی
زرد گردیدہ کرشمۂ کارسازی عنایت است کہ کار سے نوزبان لبفرد گذاشت و انچہ پیش از رسیدن رسیدہ اشارہ
بجز گرمی ذوق است کہ در رنگ در دلجوی روا نداشت۔ دل گفت ہما نا انچہ بہ پختگی زرد گردد نہایت شوق است کہ
من بداں خرسندم و خورسندی من فراواں باد و انچہ پیش از رسیدن رسد مژدۂ وصل ست کہ من بداں آرزو
مندم و دوست مرا بر زباں باد فقط"................ (رقعہ دیگر)

نامہ بنام نواب محمد مصطفٰے خاں بہادر۔ جان را از تن سپاس و خواجہ را از بندہ نیایش۔ روز ادینہ چوں شب شد
بزم سخن آراستند از اں رو کہ غزل نگفتہ بودم از شرم تہی دستی پیر در پیش داشتم در رفتن بانجمن مضمونی بود کہ ہرگز
بخاطرمی گذشت والاجاہ نواب ضیاء الدین خاں سلمہ اللہ تعالے دو فرشتہ بر من گماشتند زین العابدین خاں عارف
و غلام حسین خاں مجروح یعنی این ہر دو ابرام پیشہ شام گاہ بخلوت کدۂ تنہائی من آمدند و فیل آوردند و بداں ساں کہ شیر را چوں
شکار کنند بر فیل بار کنند مرا بانجمن بردند۔ دیدار مخدوم و معظم و صدر اعظم مولوی صدر الدین خاں بہادر تلافی رنج راہ
کرد بارے صرفہ رہروان دراں بود کہ مولانا صہبائی قدم رنجہ نفرمودہ بودند غزل مولانا صہبائی در زمین طرحی دو سہ
بیت دلنشین داشت بالجملہ چوں غزلخوانی سر آمد گر بہ نظم نمی آید در بحر ہزج مثمن سالم کردند از یاران بیت
میرزا زین العابدین خاں عارف و جواہر سنگھ جوہر در زمین طرح دو غزل خواندہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۵۳ پر ملاحظہ)

روشنی پڑتی ہے۔ سر سید احمد خاں مرحوم[۵۱] نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں جہاں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲) نقش لغز گوئی بکرسی نشاندند۔ من بغزلی کہ پہار سال روز گفتہ بودم زمزمہ سرائے آمدم۔ غزل۔

صبح شد خیز کہ رو داد اثر بنمایم ٭ چہرہ آغشتہ بخوناب جگر بنمایم فقط

نامہ نگار اسد اللہ نگاشتہ بہ پنجشنبہ بست وسوم مارچ ہنگام نماز عصر کہ ابر قطرہ فشاں بود وہوا انگیز بارہ فقط

امید گاہا۔ دی ادینہ روز بود ولو ید بزم سامعہ افروز۔ شامگاہ ہماں دو فرخ سروش از در در آمدند و مرا

با انجمن بردند۔ میر نظام الدین ممنون و مولوی امام بخش صہبائی چوں رنجور بودند نیامدند کس بخدمت حضرت

آزردہ فرستادند اگرچہ دیر آمدند اما آمدند۔ دلم را صفا و زبانم را نوا بخشیدند۔ بندہ را در زمین گریستن نگار من

قصیدہ اتفاق افتادہ بود۔ آں می سنجیدم کہ ورق را چوں برات نامقبول باز برم و ریختہ گویان را در دسر

ندہم۔ از آمدن حضرت آزردہ دل بخود بالید و زبان بزمزمہ دستوری یافت صہبائی نیز نا خواندہ حاضر بود و در

زمین گریستن غزلی انشا کردہ۔ چوں قصیدہ مرا شنودند خجل شد و از گفتہ خود لختی خواندہ در گذشت۔ امروز در

بند آں بودم کہ قصیدہ بر ورقے بنویسم بہ پرستاران در دولتکدہ فرستم تا نیمروز فرصت نگارش دست بہم

نداد ہنگام نماز پیشین بود کہ صہبائی و فتاح باہم آمدند آنرا اگر بہ در آستیں و ایں را گلدستہ در دست برید

فرخندہ نامہ بمن سپرد و رفت و ابر باریدن آغاز کرد ابر قطرہ می ریخت و من آرزوے نامہ گہر سنجیدم تا اینکہ کلبہ

ام از آب و دامنم از گوہر نایاب پر شد زہے غزل و خوشا غزل پایہ ایں زمین را بآسماں بردہ اند و سخن

را بنوازش زمینیان از آسمان فرود آوردہ سخن سرودن حق شماست اگر ما بہ وے ستودن داشتہ باشیم بر

خود نازمی توانیم کرد زیادہ زیادہ فقط''

رشک طالب و فخر غالب سلامت۔ قصیدہ گریستن با آنکہ از دلم فرمان رسیدہ و از زبانم بدر نزادیدہ و پنہاں

در دل جا دارد۔ بمشاہدہ غزلی کہ امروز بمن رسید ہم از دل رفت و ہم از نظر افتاد۔ زہے غزل و خوشا غزل

اگرچہ نارسا بیان و کج مج زبانم۔ اما اگر ہر بیت را جدا گانہ بیک قصیدہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۵۴ پر ملاحظہ ہو)

۵۱ سر سید مرحوم سے اور نواب صاحب سے ہمیشہ دوستانہ مراسم رہے علیگڑھ میں جب سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد سر سیّد نے رکھی تھی تو نواب صاحب بھی اس کے ممبر ہوئے تھے۔

شعرائے دہلی کا ذکر کیا ہی - نواب صاحب کا کلام بھی لکھا ہی اور ان کی ثنا و صفت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۳) ستایم میتوانم آه ازین مقطع و داد - ازین مقطع زبان ستایش این مقطع کراست باآنکہ در سخن
ہمواخواه و آفرین گوی شماستم مرا برشما بر شک آورد و جاودان مانید کہ پیکر سخن را جانید - درین مشاعره کہ گزشت
خاک زمین گیر من غبار چشم ریختہ گویان نگشت - غزل خود یک ہفتہ پیش از روز غزلخوانی گفتہ - بخدمت حضرت
آنروه دام بقاوه فرستاده ام و سرآں داشتم کہ چوں بنامہ کامیاب گردم و آنرا پاسخ نگار شوم در نگارش
ہماں غزل سرمایۂ من باشد امروز کہ اولا نامہ رسید ہمیں دم بپاسخ نگاری نشستم و تا ورق بپایاں رسید
نان نخورم + فرد - دیدم آں ہنگامہ بیجا خوف محشر داشتم + خود ہماں شور است کاندر زیست در سر داشتم و السلام"
(رقعہ دیگر نظم)
ہاں خواجۂ بے پرواہ + من بندہ کہ غم ناکم + وز غصہ جگر چاکم + خواہم سخنی گفتن + آنروز کہ بپرفتند + آں نامہ فرستادند
کز دیدن آں خوں شد + دل ناجگر از اندوه + گفتم چہ کنم غالب + چوں کار دگرگوں شد + می بایدم اینک
رفت + تا عذر سخن خواہم + چوں گرد و غباری بود + رفتن نتوانستم + امروز لب شام آمد + لا بلکہ سیہ تر شد -
سر ماندہ ببالین بر + چوں غم زدگاں خفتم + ہی ہی چہ تواں خفت - آں خستہ کہ غم خوارش - بر زخم نمک
پاشد + وز دیدہ بیدارش + شورابہ رواں باشد - چوں از افق شرقی + خورشید درخشنده +
ناگاه سری برزد + آتش بجہاں درزد + مرغ سحری پرزد + رفتم بجگر کاوی + واں راز نہانی را +
از دل بزباں دادم + در خلوت تنہائی + بے پرده چو ہمرازاں + نے آمد و ہمدم شد + چندانکہ دم
اندر نی + از مہر دمیدم من + چوں من بنوا آمد + و آں نالہ کہ بر لب بود + از باطن نے سر زد + آندم
کہ نفس یابی + زیں گونہ کشاکش کرد + یک کاغذ نانوشتہ + بود است بدستم در + چوں نالہ نمودی داشت
زاں شعلہ کہ دوری داشت + بر صفحہ نشانہا ماند + گفتم نگر این صفحہ + عشق نامۂ راد ستی + فہرست نیازستی +
باید کہ فرو پیچم + وانگہ بنشان ہندی + نزدی خواجہ رواں سازم + کوتاه کنم گفتن + آں نامہ کہ من گفتم + حجاب دیده دلا
بر روندو رواں کردند + ہرچند درا اندیشہ + پیداست کہ خوش باشد + با خواجگی استغنا - با این ہمہ خوش
نبود + پوزش نہ پذیرفتن + دیروز سحرگاہاں + روشن گہر آں نیر + کش روح درواں دانم + بل خوشتر از آں
دانم + دیوان نظامی را + آورد بسوے من + زیں گونہ نواہا بود + در پرده گفتارش - کز ذوق بہنجارش + ایں
زمزمہ سر کردم + والا گہر اکبر خاں خوانند سلام از من" فقط - (ماخوذ از پنج آہنگ غالب)

ہیں جو نثر لکھی ہے وہ اگرچہ مبالغہ شاعرانہ سے پُر اور خیالات کی بلند پروازی سے مملو ہے لیکن چونکہ وہ اگلے وقتوں کی اُردو زبان کا نمونہ ہے اور اس طرز کی اُردو میں غالباً سرسید کی یہ سب سے آخری تصنیف ہے اس لیے تبرکاً اس کا وہ اقتباس جو نواب صاحب کے متعلق ہے درج ذیل کرتے ہیں۔

"باوجود نازو نعم و ثروت کے مشق سخن کو اس مرتبہ پر پہنچایا ہے کہ قلم تردد سے نہیں آسودہ ہوتا اور فکر تلاش سے بلبل کی سجع خوانی اور قمری کی فصیح بیانی انھیں کی نستعلیق گوئی سے مستفاد ہے۔ یہ پایہ فصاحت کا اور سرمایہ بلاغت کا خداداد ہے۔ اگر رنگینی مضامین کی گل کو رنگ۔ اور لطافت عبارت کے گوہر کو آب نہ دے۔ بلبل کا عشق کامل اور تاج سلاطین کی زینت تمام نہ ہو۔ انتخاب اُن کے کلام بلاغت نظام کا اس مقام پر سرمایۂ فرحت اربابِ نظر ہے۔"

تذکرہ شعرائے ہند میں جو مولوی کریم الدین مرحوم نے ۱۲۶۴ ہجری میں تالیف کیا تھا نواب صاحب کا ذکر الفاظ ذیل میں کیا گیا ہے:-

"شیفتہ تخلص نواب مصطفیٰ خاں خلف الصدق عظیم الدولہ سرفراز الملک

نواب مرتضےٰ خاں بہادر کا ہی۔ یہ صاحب ذکی و ذہین ہیں۔ امرائے شاہجہاں آباد
سے بڑے امیر ہیں۔ شاگرد حکیم مومن خاں کے۔ اکثر اشعار ان کے
بہت اچھے ہوتے ہیں۔ ایک تذکرہ گلشن بیخار انھوں نے
شعرائے اردو کا اس طور پر لکھا ہے کہ حال سب شاعروں کا فارسی
میں شعر اُس کے اردو ہیں۔
یہ تذکرہ ۱۲۵۰ھ ہجری میں تیار ہوا تھا۔ دو دفعہ مولوی محمد باقر کے
چھاپہ خانہ میں چھپ چکا ہے۔ ایک دیوان بھی اُن کا میں نے سُنا ہی
کہ تیار ہوا ہی"
تذکرہ گلستانِ سخن میں جو مولانا امام بخش صہبائی کے شاگرد شہزادہ مرزا
قادر بخش صاحب کی تالیف سے ہی۔ نواب صاحب کا حال اس طرح لکھا
گیا ہے۔

بہ در پیشی ثنائے مصطفےٰ خاں سکینی آرے ✣ خوشامد گوئہ تار و حشمت درمیاں بینی

علوم رسمی سے کماینبغی آگاہ۔ اور فنون متداولہ میں کامل دستگاہ۔ اصناف
سخن میں قدرت تمام۔ اور فنون شتّٰی میں مہارت تام کمال مرتبہ شناسی سے
ہر سخن اپنے موقع میں اور ہر نکتہ اپنے مکان میں جلوہ گر۔ جس طرح تیغ ہندی

ریختہ شاہدان شنگول کے غمزہ سے زیادہ تر ناخن بدل زن ہی۔ اسی طرح بادہ شیراز فارسی خوبان سیاہ مست کی چشم سے زیادہ ترخمار شکن ہی اور جیسے اُس تیغ آبدار کے سلح شور اس شہسوار ہنر کو شیفتہ نام سے مشہور کرتے ہیں۔ اس بادۂ صاف کے سرمست اُس مے گسار کمال کو حسرتی کے اسم سے مذکور کرتے ہیں۔ جو کثرتِ اوصاف مہر دہان اور وفور محامد بند زبان ہی۔ ناگزیر نظر بر اوصاف اور ذکر مدایح سے تحریر افکار گوہر نثار پر قناعت کرتا ہوں۔

وفات | ۱۸۶۹ء میں جبکہ عمر گرامی کا تریسٹھواں[۶۳] مرحلہ تھا آپ کا وصال ہوا اور دہلی میں حضرت سلطان المشائخ مولانا سید نظام الدین محبوب الٰہی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں اپنے جد امجد کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔ ذیابیطس کا مرض پہلے سے تھا وقت آخر ہاتھ میں ایک کالا دانہ نکلا تھا وہی موت کا بہانہ ہوا۔ اپنا کفن بیت اللہ شریف سے ہمراہ لائے تھے اسی میں کفنائے گئے۔ وفات کے دن جس روز سفر آخرت درپیش تھا اعزا علاج میں مصروف تھے ڈاکٹر نے ایک نسخہ تجویز کیا جس میں پورٹ وائن شامل تھی جس وقت یہ نسخہ لکھا جا رہا تھا نواب صاحب نے فوراً ہی آنکھ کھولی اور حاضرین سے کہا کہ میری روح کو اس وقت بڑا صدمہ ہو رہا ہی۔ سچ بتاؤ کیا معاملہ ہی؟ اس پر صاحبزادہ محمد علیخاں صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہم سے ایک گستاخی ہوئی ہی یعنی

ایک ایسا نسخہ لکھوایا گیا ہی جس میں پوٹ وائن شامل ہو فرمایا کہ "الحمدللہ! وقت پر اطلاع ہوگئی۔ اور موقعہ نہ ملا کہ اس نسخہ کا استعمال کیا جائے" اور یہ بھی فرمایا کہ تم اللہ کا شکر کرنا کہ اُس نے آخری وقت میں تمھارے باپ کو گمراہی سے بچالیا۔ کہ اُسے اپنی صحت کے لیے احکام شرعی کی خلاف ورزی کا موقعہ نہ ملا"

آپکی وفات[1] کی تاریخ کلام پاک (سورۂ دہر) کی اس آیت سے برآمد ہوتی ہے۔ "وجزاھم بما صبروا جنۃ وحریرا" یہ مادۂ تاریخ مولانا حالی مرحوم ومغفور نے اسی زمانہ میں نکالا تھا جو آپ کے مزار مبارک پر کندہ ہے۔ فقط خاکسار

نظامی بدایونی

۲۲-نومبر ۱۹۱۵ء

---

[1] آپ کی وفات کے متعلق دیگر دو قطعات تاریخ ہمیں مولانا شاہ محمد لطیف صاحب مجددی پانی پتی مدظلہ سے ملے ہیں جو یہ ہیں۔

(از جناب خواجہ کرامت علی صاحب مرحوم انصاری پانی پتی)

چو رفت از جہاں مصطفےٰ خاں امیر ✣ کہ بود اصل پاکیزہ و پاک فرع
خداوند تقویٰ خداوند زہد ✣ فقیر آشنا سالک راہ شرع
شد از رفتن آں سپہ سرو پا تمام ✣ وقار - کریم - بذل و - تقوی و - ورع

۱۲۸۶ھ

(از جناب خواجہ امداد حسین صاحب مرحوم متخلص بہ مظہر پانی پتی)

چوں رئیس ابن رئیس نامدار ✣ کرد رحلت زیں جہان بے بقا
سال تاریخ وفاتش فی البدیہہ ✣ ملہم غیبی بمن کردہ عطا
کز سر ر ازیں ببایدگفت ایں ✣ رحمت حق بر محمد مصطفےٰ

۱۲۸۶ھ

کلام ریختہ پر ایک نظر

نواب صاحب کا دیوان ریختہ محض غزلیات کا ایک مختصر مجموعہ ہے اصناف نظم میں سے کوئی اور صنف اس میں نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے ریختہ کو اپنا خاص فن نہیں بنایا تھا کہ ہر صنف پر توجہ فرماتے۔ جو کچھ کہا گیا ہے صحبت احباب کا نتیجہ اور عہد شباب کا تحفہ ہے۔ جب سے حلقۂ صوفیہ باصفا میں داخل ہوئے تو اشغال و افکار باطنی نے فکر سخن سے دل سرد کر دیا اور اس فن کو تضیع اوقات کا موجب سمجھنے لگے۔ اثنائے غزل میں کہیں کہیں قطعہ بند اشعار بھی آگئے ہیں ان میں سے دو قطعے یہ ہیں۔ جن سے بیان کی وسعت ظاہر ہوتی ہے اور سلسلۂ سخن الیسا مربوط ہے کہ جب تک نتیجہ نہیں سن لیتا سامع کی توجہ قائم رہتی ہے۔

(۱)

کہا کل میں نے اسے سرمایۂ ناز	تلوّن سے بھی تم کو مدّعا کیا
کبھی مجھ پر عتاب بے سبب کیوں	کبھی بے وجہ غیروں سے وفا کیا
کبھی محفل میں وہ بے باکیاں کیوں	کبھی خلوت میں یہ شرم و حیا کیا
کبھی تمکین صولت آفریں کیوں	کبھی الطاف جرات آزما کیا

کبھی وہ طعنہ ہائے جاں گزا کیوں — کبھی یہ غمزہ ہائے جاں فزا کیا

کبھی شعروں سے میرے نغمہ سازی — کبھی کہنا کہ یہ تم نے کہا کیا

کبھی بے جرم یہ آزردہ ہونا — کہ کیا طاقت جو پوچھوں میں خطا کیا

کبھی اس دشمنی پر بہر تسکیں — پی ہم جلوہ ہائے دل ربا کیا

یہ سب طرح اُس نے سُن کر بے تکلف — جواب اک مختصر مجھکو دیا کیا

ابھی اے شیفتہ واقف نہیں تم — کہ باتیں عشق میں ہوتی ہیں کیا کیا

(۲)

ساقی کو میکدہ میں سر نا و نوش ہی — صوفی کو خانقہ میں سر وجد و حال ہی

عاشق کو اضطراب ہی عجز و نیاز سے — معشوق کو غرور ہی غنج و دلال ہی

منظور ہی حکیم کو ہر شی کی معرفت — حالانکہ اپنی معرفت اُس کو محال ہی

ہر کام فلسفی کا سفاہت کے ساتھ ہی — ہر بات منطقی کی مراو جدال ہی

ارباب حکمتِ نظری کو عمل نہیں — اہلِ کلام کو ہوسِ قیل و قال ہی

جن کو کہ دست گاہ ہی فنِ نجوم میں — عمر ان کی صرف زائچۂ ماہ و سال ہی

ہیں بعض لوگ در پئے اسراف رات دن — بعضوں کو روز و شب سرِ توفیر مال ہی

بعضوں کو ہی مذاق میں فخر نسب لذیذ	بعضوں کو ذوق دعوئ فضل وکمال ہے
مفلس کو فکر ہے کہ کسی ڈھب سے کچھ ملے	منعم غریق لجۂ بیم و زوال ہے
جو ہیں حریص سیر چمن ان کو بزم میں	ذکر شجر کبھی کبھی فکر نہال ہے
جی میں کسی کے خواہش آرایش لباس	دل میں کسی کے حسرت جاہ جلال ہے
کوئی طلب میں اشہب گلگون نظیر کی	کوئی اسیر شوق شکار غزال ہے
کوئی فدائے قامت آفت خرام ہے	کوئی خراب نرگس جادو مثال ہے
ناحق کسی کو شکر کسی کو شکایتیں	بے وجہ کوئی خوش ہے کسی کو ملال ہے
کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہ	اس کا جو دیکھیے تو بہت کم خیال ہے

طرز مومن خانی

اگرچہ حضرت شیفتہ کو کلام ریختہ میں مومن خاں مرحوم سے نسبت تلمذ تھی لیکن انداز سخن میں استاد کے مقلد نہیں ہیں بلکہ ایک طرز خاص رکھتے ہیں چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

نرالی سب سے ہے ای شیفتہ اپنی روش لیکن	کبھی دل میں ہوائے شیوہ ہائے میر پھرتی ہے

پھر بھی استاد کی روش خاص میں جو کچھ فرمایا ہے وہاں دونوں کے کلام میں فرق

دشوار ہی۔

شمیمِ زلف یہی ہی تو وحشت دل سے
کب انتظار کیا موسمِ ریاحیں کا

یکتا کسی کو ہم نے نہ دیکھا جہان میں
طولِ امل جواب ہی زلفِ دراز کا

آپ جو ہنستے رہے شب بزم میں
جان کو دشمن کی ہیں رو یا کیا

یاں ساحتِ ملاقات اں کہاں عرضِ نیاز
سخت جاں میں کب نہ تھا اور نازنیں تو کب نہ تھا

اُن سے نازک کو کہاں گرمئ صحبت کی تاب
بس کلیجا نہ پکا اسے طمعِ خام اپنا

اپنے جوار میں ہمیں مسکن بنا دیا
دشمن کو اور دوست نے دشمن بنا دیا

دامن تک اس کے ہائے نہ پہنچا کبھی وہ ہات
جس ہات نے کہ جیب کو دامن بنا دیا

لگتی نہیں پلک سے پلک جو تمام شب
ہی ایک شعبدہ مژۂ نیم باز کا

کب ہمیں حاجتِ پرہیز پڑی
غم نہ کھایا تھا کہ سم یاد آیا

اُس سے میں شکوہ کی جا شکرِ ستم کر آیا
کیا کروں تھا مرے دلمیں سو زباں پر آیا

نہ دیا ہائے مجھے لذتِ آزار نے چین
دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا

وہ صبحِ جلوہ جلوہ گرِ باغ تھا جو رات
مرغِ سحر نے دھوم مچائی تمام شب

میرے آنے سے تم اُٹھ جاتے ہو
بزمِ دشمن میں نہ آؤں کیوں کر

زندگانی سے خفا ہوں اپنی
پھر کہو تم کو سناؤں کیوں کر

وضعِ حفظ ہی تو عشرتِ صحبت معلوم
بزمِ اغیار سے کم محفلِ احباب نہیں

رنگیں ہی بیگناہوں کے خوں سے سوادِ شہر
حالانکہ واں ہنوز سرِ امتحاں نہیں

ہرچند کہ ہی آپ سے ملنے کی تمنّا
پر آپ سے ملنے کی تمنا نہیں رکھتے

بے عذر وہ کر لیتے ہیں وعدہ یہ سمجھ کر
یہ اہلِ مرّوت ہیں تقاضا نہ کریں گے

کہا کہ تنگ ہوں اتنی بھی بدگمانی سے
کہا جو ڈر ہی مجھے ایسی مہربانی سے

تصوف

تصوف بھی مضامین غزل کا ایک دلاویز عنصر ہے - بعض شعرا اس مضمون میں تقلیداً و رسماً طبع آزمائی کرتے ہیں - لیکن حضرت شیفتہ کا یہ خاص مشرب ہی اور اس باب میں جو کچھ فرمایا ہی اُس سے رنگ تحقیق تراوش کرتا ہی غالباً کوئی غزل مضامین تصوف سے خالی نہیں - اُس میں سے چند شعر اس موقع پر ہدیہ ناظرین ہیں -

پیمانِ ترک جاہ لیا پیرو ہر سے
پیمانہ دے کے بادۂ عنبر شمیم کا

وہ طرفہ حال کہ جس سے جماد رقص کرے
نہ رنگ ہی متغیر ہوا اہلِ تمکین[1] کا

[1] صوفیہ کرام کی اصطلاح میں اہل تمکین وہ ہیں کہ ایک حال پر قائم ہوجاتے ہیں اور اہل تلوین وہ ہیں جن کی حالت واردات کے موافق متغیر ہو جاتی ہے - ۱۲

تیرے گدا کو سلطنتِ جم سے کیا کہ ذوق
ہے کاسۂ شکستہ میں جامِ دو نیم کا

یاں خارِ خس کو بے ادبی سے نہ دیکھنا
ہاں عالمِ شہود ہے آئینہ ذات کا

کہاں پھر وہ نایاب پایا جسے
غلط شوق ہے جنس نایاب کا

کل نغمہ گر جو مطربِ جادو ترانہ تھا
ہوش و حواس عقل و خرد کا پتا نہ تھا

کل شیفتہ سحر کو عجب حال جوش میں تھے
آنکھوں میں نشہ اور لبوں پر ترانہ تھا

وجد کو زمزمۂ مرغِ سحر کافی ہے
شیفتہ نازِ مغنی و مزامیر نہ کھینچ

جو بات میکدے میں ہے اک اک زبان پہ
افسوس مدرسے میں ہے بالکل نہاں ہنوز

میکدہ یا بتخانہ سے حلقۂ مردانِ خدا مراد ہوتا ہے اور میکش سے سالک اور مے و بادہ سے کیفیاتِ قلبی۔ ۱۲

اکثر ہوا ہے مجھ کو سفر در وطن مگر
لایا نہ دوستوں کے لیے ارمغاں ہنوز

اک شب ہوا تھا جلوہ نما چرخ پر وہ ماہ
مدہوش ہیں ملائکۂ آسماں ہنوز

اس شعر میں لفظاً کوئی صراحت نہیں لیکن حقیقت میں یہ نعت ہے رسول کریم صلعم کی۔ ۱۲

بتخانہ میں تمام جوانی بسر ہوئی
لیکن ملا نہ منصبِ پیرِ مغاں ہنوز

اے تابِ برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی
کچھ رہ گئے ہیں خار و خسِ آشیاں ہنوز

برق سے تجلیاتِ جلال و جمال مراد ہیں اور خار و خس سے تعلقاتِ کونی۔ ۱۲

عبث ہی شیفتہ ہر اک سے پوچھتے پھرتا
وجد میں لائے اہلِ درد ہیں

قسمت اُس کی خبر نہ ہو جس کو
اہلِ طریق کی بھی روش سب سے ہی الگ

پیرِ مغاں کے فیض توجہ سے شیفتہ
کچھ درد ہی مطربوں کی لَے میں

بدمست جہان ہو رہا ہے
میخانہ نشیں قدم نہ رکھیں

مطرب بدیع نغمہ و ساقی پری جمال
ڈر ہی کہ ہو نہ شوق مزامیر شیفتہ

جام مے دے کہ وہاں کام پڑا ہی مجھکو
ہم ہیں ایسے فراخ رو درویش

ہر شغل میں اہم ہی نگہبانیِ نفس
واقفِ اسرارِ معانی سے

ہم آئے ہیں جہاں سے اُسی کا خیال ہے

ملے گا بادہ کشوں سے نشان بادہ فروش
باد کے ساتھ خاک ہی رقاص

عام اس دور میں ہی بادۂ خاص
جتنا زیادہ شغل زیادہ فراغ بال

اکثر شراب پیتے ہیں میخانوں میں ہم
کچھ آگ بھری ہوئی ہی نَے میں

ہی یار کی بو ہر ایک شَے میں
بزم جم بارگاہ کَے میں

کیا شرح حالتِ دلِ درد آشنا کروں
ورنہ کبھی سماع مجرد سُنا کروں

کہ صبا کو بھی جہاں دخل سفارت میں نہیں
محفلِ بادشہ سے عار نہیں

اس سے سوا جہان میں شغلِ اہم نہیں
جز حریفانِ بادہ خوار نہیں

جز شاخ سدرہ ہم کو سرِ آشیاں نہیں

قطع نظر جو نقش و نگار جہاں سے ہو
دیکھو وہ آنکھ سے جو نہ دیکھا ہو خواب میں

اُس صوت جاں نواز کا ثانی بنا نہیں
کیا ڈھونڈھتے ہو بربط و عود و رباب میں

پائی ہی بوے دوست عنادل نے باغ میں
پروانوں پہ ہوئی ہی تجلّی چراغ میں

حجاب منظر مقصود ہی طلسم خودی
جو یہ طلسم نہ ٹوٹے تو فتح یاب نہ ہو

بہت ہی دھوم مچاتے ہیں میکدے میں رند
مجھے یہ ڈر ہی کہیں مدرسہ خراب نہ ہو

صدق و صفا و مہر و وفا واں نہ ڈھونڈھنا
جس شہر و دیہہ میں کہ سرائے مغاں نہ ہو

ای مرگ آکہ میری بھی رہجائے آبرو
باندھا ہی اُس نے سوگ عدو کی وفات کا

کیا وہ متاع جس کے نہ ہو کوئی گھات میں
ڈرتا ہوں میں جو دزد میں کارواں نہ ہو

نغمہ پر درد ہی شورش سے افاقت معلوم
بادہ پُر زور ہی کیا نشہ کی شدت معلوم

جو کہ ہوا محو تجلّی ذات
خاکِ در اُس شخص کی اکسیر ہے

شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر
دینداری و پارسائی کی

آخر کار حق پرست ہوا
شان ہو اُس کی کبریائی کی

راز پوشیدہ پوچھیے کس سے
سب بے خبر ہی جو با خبر کچھ ہی

پند و حکمت

حضرت شیفتہ کے کلام میں پند و حکمت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے اور یہ قدما کی روش ہی۔

تم کو نہیں جو عجب لتعجب ہی شیفتہ
نفس سرکش کی کسی ڈھب سے رعونت کم ہو
منع کی حرص پہ انسان ہوا ہی مجبول
یہ ہی نصیحت پیران کار افتادہ
اپنا لوٹا گھر بہت مرغوب ہی
واعظ کے قول خوب ہیں ہر ندوں کے فعل خوب
فعل حکیم عین صلاح و صواب ہی

ہی فی زمانا یہ سرشت کرام میں
چاہتا ہوں وہ صنم جسمیں محبت کم ہو
ناصحو! دوست اگر ہو تو نصیحت کم ہو
کہ بدبلا ہی جدائی ڈر و جدائی سے
بارگاہ ثابت و سیار سے
وہ اس سے سیکھ لیجے یہ ان کو سکھائیے
ساقی اگر شراب نہ دے سرگراں نہ ہو

اردو کے ساتھ عربی جملوں کو نظم کرنے کی قدرت

حضرت شیفتہ چونکہ عربی فارسی اور ریختہ تینوں زبانوں میں قدرت سخن گوئی رکھتے تھے۔ اس لیے کلام ریختہ میں کہیں کہیں عربی جملوں کی تضمین نہایت پُر لطف واقع ہوئی ہی اس روش میں بالکل خواجہ حافظ سے مماثلت پیدا ہو گئی۔ اور بعض

غزلوں میں برسم شعرائے عرب محض قافیہ پر قناعت کی ہی۔

کیا مزا تم سے آشنائی کا	بیت	ماسرہم مدامتہ الا خلاص
شیفتہ نے ہماری داد نہ دی	"	سچ ہی القاص لا یجیب القاص
کیا کچھ وہاں سے منزلِ مقصود پاس ہی	"	یا ایہا الذین سکنتم علی الجبال
ہم اگلے عشق والوں کی تقلید کیوں کریں؟	"	اے خردہ گیر نحن رجالٌ وہم رجال

حُسنِ معانی

ضوابط نظم اور قواعد شعر سے بالاتر ایک حسن معنوی اور تاثیر مخفی ایسی ہوتی ہے جس کا لطف وجدان صحیح و ذوق سلیم ہی پا سکتا ہی۔ ایسے اشعار بھی حضرت ممدوح کے کلام میں جستہ جستہ نظر آتے ہیں۔

نے فائدہ ہی وہم کہ کیوں بے خبر آیا ؟		اس راہ سے جاتا تھا ہمسایے بھی گھر آیا
اپنی محفل سے یہ آزردہ اُٹھایا مجھکو		کہنا لینے کے لیے آپ مرے گھر آیا
وہ مجھسے خفا ہی تو اُسے یہ بھی ہی زیبا		پر شیفتہ میں اُس سے خفا ہو نہیں سکتا
میں بے جرم رہتا ہوں خائف کہ واں		جفا میں نہیں دخل اسباب کا
صحرا بنا رہا ہی وہ افسوس شہر کو		صحرا کو جس کے جلوہ نے گلشن بنا دیا

مشاطہ کا قصور سہی سب بناؤ ہیں — اس نے ہی کیا نگہ کو بھی پُرفن بنا دیا

کھیل نہیں کچھ کہ دکھاؤں تمھیں — فرض کیا آہ میں تاثیر ہے

تکلیف شیفتہ ہوئی تم کو مگر حضور! — اس وقت اتفاق سے ہیں وہ عتاب میں

اُس نوبہارِ حُسن کو بدنام مت کرو — تھی شیفتہ کے پہلے ہی شورش دماغ میں

دھوکا مجھی کو صرف نہیں میل یار کا — دیکھا بڑے بڑوں کو اسی اشتباہ میں

کہوں میں کیا کہ کیا دردِ نہاں ہے؟ — تمھارے پوچھنے ہی سے عیاں ہے

پہلا مصرعہ ایک معمولی بات ہے مگر دوسرے مصرعہ نے اُس کا رتبہ بہت ہی بلند کر دیا ہے۔ یعنی تمھارا پوچھنا ہی دردِ نہاں کی حقیقت کا ثبوت ہے۔ ۱۲

ہم سے وہ ناحق جو خفا ہو گئے — شیفتہ کچھ اپنی ہی تقصیر ہے

بھڑک گئی نمِ شبنم سے اور آتشِ گل — یہ کیسی آگ ہے دونی ہوئی جو پانی سے؟

اُن کی باتیں اُس نے بھی چھپ کر سنیں — آج ناصح کو نصیحت ہو گئی۔

شوخی و ظرافت

نواب صاحب کی طبیعت میں متانت و سنجیدگی کا مادہ زیادہ تھا۔ اس سبب شاعرانہ شوخی و ظرافت ان کے کلام میں کم پائی جاتی ہے۔ پھر بھی جو کچھ ہے

نہایت خوب ہے۔

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی — میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

جلد منگاؤ شرابِ گل رنگ — شیفتہ ساقیِ گل فام آیا

پانی وضو کو لاؤ رُخِ شمع زرد ہے — مینا اُٹھاؤ وقت اب آیا نماز کا

اس شعر میں محض شاعرانہ شوخی ہی نہیں بلکہ ایک پہلو تصوف کا بھی ہے یعنی مینا سے وہ اذکار و اشغال مراد ہیں جو سالکان طریقت کے ذوق و شوق و وجدان کو بڑھاتے ہیں اور ان اشغال کا وقت قبل نماز صبح ہے۔

ہم طالبِ شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام — بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

کمی تھی حالت رندی میں اس کو کیا یارو؟ — کوئی یہ پوچھے کہ کیوں شیفتہ بنا واعظ؟

رند فارغ بھی ہوئے جام سحر گاہی سے — اور زاہد ابھی آہنگِ طہارت میں نہیں

پارسا کیا ہوئے تم شیفتہ سادے بھی ہوئے — باغ کو چلتے ہو اور ساتھ مئے ناب نہیں

پیری میں سیر باغ کی تقریب شیفتہ — معشوق ساتھ ہے نہ خلل ہے دماغ میں

شیفتہ اک رند مشرب شخص ہے — کس سے لوگوں کو عقیدت ہو گئی

شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر — دینداری و پارسائی کی

آخر کار مے پرست ہوا — شان ہے اس کی کبریائی کی

جس لب کے غیر بوسہ لیں اُس لب سے شیفتہ		کمبخت گالیاں بھی نہیں تیرے واسطے

اس قطعہ میں منشائے شوخی محض لفظ پرست ہے جس سے صوفیہ کی اصطلاح میں کیفیات باطنی کا ذوق وشوق مقصود ہے - ۱۲

محاورہ بندی

بعض شعرا کے اشعار کی بنیاد محض محاورات پر ہوتی ہے اگرچہ نواب صاحب کا شیوہ خاص معاملہ بندی ہے لیکن جہاں کہیں محاورات و امثال کو باندھا ہے اس کی بندش بے تکلف اور بامزا ہے-

نہ دیا ہائے مجھے لذتِ آزار نے چین		دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا
آپ جو ہنستے رہے شب بزم میں		جان کو دشمن کی میں رو دیا کیا
میں کہیں توبہ میں ہوں آپ لیکن کیا کروں		مُنہ میں بھر آتا ہے پانی جام مینا دیکھ کر
ہے شمع انجمن وہ مہ آتشیں عذار		گھی کے جلیں گے آج تو دشمن کے گھر چراغ
بلبل کو بھی نہیں ہے دماغ صدائے گل		بگڑی ہے تیرے دور میں ایسی ہوائے گل
چراغ وقف محبت لئے کر دیا افسوس		کہ مجھ کو اپنے پرائے سبھی جلاتے ہیں
بوسۂ لب نہ مانگنا اے دل		مُنہ لگاتا ہے کون سائل کو

غیر سے کب ہوا ہے ترک کلام
باتیں تم ہم سے بھی بنانے لگے؟

ڈوب مرنے کی جگہ ہی غسل صحت ہجر میں
روئے دیتا ہوں احبا کی مبارکباد سے

کیوں کر سے مجھے خط رقم کریں گے
کیا غیر کا سر قلم کریں گے

ذکرِ وصالِ غیر و شب ماہ و بادہ سے
ایسے لیے گئے۔ ہمیں طعنے دیا کیے

منہ بنائے ہوئے اُس کو سے گزر کرتا ہے
اب تو غیر بھی دل میں مرے گھر کرتا ہے

ناصح تری زبان ترے بس میں حیف ہو
انصاف کر کہ دل پہ مرا زور کیا چلے؟

دیوان فارسی ایک نظر

اس دیوان میں سات قصیدے ۔ متعدد قطعے اور باقی تمام تر غزلیات ہیں۔ ان سات قصیدوں میں سے چھ قصیدے نعت سرور کائنات میں ہیں اور ایک جناب علی مرتضےٰ کی منقبت میں۔

نواب صاحب نے امرا و ملوک کی مداحی کبھی نہیں کی۔ نہ ان کی طبیعت کے مناسب تھی۔ قصیدہ کا جو انداز رائج ہوگیا ہے وہ حقیقت میں بھٹئی ہے۔ نواب صاحب جیسے دیندار۔ صوفی منش۔ کی شان سے بعید تھا کہ شاعری کے اس میدان میں طبع آزمائی کرتے۔ نہ اُن کو صلہ کی حاجت تھی نہ شاہ و

امرا کی حضور میں رسوخ کی پروا۔ سیر و سلوک باطن نے نام و نمود کی ہوس بھی مٹا دی تھی۔ لہٰذا اس صنعت پر قلم نہ اُٹھانا بالکل بجا تھا۔

قصیدہ اول

گر سرے آشتی و مدارا برآورم — پرخاش از سکندر و دارا برآورم

از قید نہ رواقِ نگارین برآورم — یوسف ز ہفت کاخِ زلیخا برآورم

اول بآبِ چشمہ کوثر وضو کنم — وانگہ نفس بنعتِ مزکّٰی برآورم

قصیدہ دوم

رستم از ہجر و بمنزل گہ جاناں رفتم — جانبِ گل کدہ از دشتِ مغیلاں رفتم

نور بن شمع رہ خضر شد اندر ظلمات — گر شبِ تار بسر چشمہ حیواں رفتم

خود ندانی اثرِ فیض مزار شاہ ست — کہ بہم پائی دل ناصیہ سایاں رفتم

آں بدریائے رسالت گہر یک دانہ — کہ ز فیضش نہ بدریوزہ عمّاں رفتم

مطلع قصیدہ سوم

کارے بحسبِ خواہشِ دل در جہاں مخواہ | تغییر رسم کہنۂ ہفت آسماں مخواہ

مطلع قصیدۂ چہارم

اے در حسد بہ بزم تو از ساغر آفتاب | با آنکہ اشرف ست ز مہر اختر آفتاب

مطلع قصیدۂ پنجم

زیں بعد باید در غمِ دل ناگریستن | گشت آشنائے نرگس شہلا گریستن

مطلع قصیدۂ ششم

نسیم صبح آمد سوئے من از ساحتِ گلشن | پر از ریحان و گل جیب۔ آستیں از لالہ و سوسن

مطلع قصیدۂ ہفتم

دوشش کہاں رشکِ ماہِ کنعانی | ہم بیچ خود کرد پرتو افشانی

بحر جود و کرم علی کہ کفش | در فشاند چو ابر نیسانی

غزلوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام میں سلاست، روانی، سنجیدگی، بندش کی چستی مشق و مہارت کا نتیجہ اور شیرینی و لطافت خداداد ہے معنوی نزاکت اور اسلوب بیان کی تازگی آپ کی فکر سلیم کا خاصہ ہے۔

افسوس ہے کہ اس زمانہ میں زبان فارسی کی کساد بازاری ہو گئی۔ ورنہ حسرتی کے دیوان کی قدر و شہرت اساتذہ ماضی کے دواوین سے غالباً کم نہ ہوتی۔

بعض غزلوں کے مقطعے اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ نواب صاحب کو نظیری کی روش بہت پسند تھی چنانچہ کہتے ہیں ؎

جز حسرتی بپایۂ او کس نمیرسد　　　در حیرتم کہ کار نظیری کجا رسید

نظیری متاخرین میں غزل کا استاد مانا گیا ہے اور اس کا کلام معنوی نزاکتوں کے لیے مسلم ہے۔

مولانا حالی مرحوم فرماتے تھے کہ آخر عمر میں نواب صاحب کو فکر سخن کا اتفاق ہوتا تو خواجہ حافظ کی روش پر کہتے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ آخری کلام دیوان میں داخل نہیں ہوا۔

زیادہ حصہ نواب صاحب کے کلام کا صوفیانہ خیالات سے پُر ہے اور یہی آپ کا مشرب خاص تھا۔ عاشقانہ اشعار جو غزل کی اصل و بنیاد ہیں ان میں بھی تصوف کا پہلو اکثر

اکثر نمایاں ہی بعض اشعار حکمت و موعظت یا اخلاق سے متعلق ہیں۔ البتہ شوخی و ظرافت کا مضمون شاذ ہی۔

بعض غزلوں میں ایک دو شعر صوفیانہ و عاشقانہ مذاق کے ایسے بھی ملتے ہیں جو مطالعہ کرنے والے کے دل پر وجد کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں یہی شاعری کا اعجاز ہی۔ مندرجہ ذیل اشعار مثال کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں جن کے مطالعہ سے ناظرین یہ اندازہ کر سکیں گے کہ حسرتی اپنے جذبات اور خیالات کو نظم فارسی میں ظاہر کرنے پر اسی طرح قادر تھے جس طرح ریختہ میں فرماتے ہیں :—

اے فیضِ تو بکشودہ زباں ما بہ بیاں ہا	ص	حمدِ تو فرو بستہ۔ بیاں ہا بزباں ہا
در پردہ چو بودی ہمہ در کتمِ عدم بود	=	اشباح منور شدہ از لمعۂ جاں ہا (اجسام ۱۲)
در دہر جز خرابات جائے دگر نیابی	[illegible]	آنجا کہ خندہ آید بر پادشہ گدا را
بجز امید کہ ایمانِ عشق کیشان ست	[illegible]	کسے نداد تسلی۔ دل زلیخا را
مرید پیرِ مغاں شو۔ کہ از اطاعتِ او	[illegible]	گزیر نیست۔ جوانانِ بادہ پیما را
دی سوختہ ایں سخنِ نغز بمن گفت	=	کز آتشِ دل خشک کنی دامنِ تر را
خندہ چہ خوش شیوہ ایست از پسِ خشم و عتاب	[illegible]	لذتِ دیگر دہد زخمِ نمک سود را

خلوت خوش است ساقی و مطرب بہ بزم ما	تصوف	از گل پیالہ خواہ و ز بلبل ترانہ را
آں بس سادہ رخاں را تکلف آئین است	عاشقانہ	گر زینت است ز آرایش لباس مرا
بہ آبروئے محبت نگر کہ بنشاند	=	فراز مسند و دیبا بایں پلاس مرا
امشب کہ تکلفے نہ کردم	=	مہ ہست چراغ محفل ما
از رفتن ہر دوست بشد آخر	=	کاشانۂ غیر منزل ما

ہر کس کہ قتیل غمزہ اش شد
ای حسرتی! اوست قاتل ما

یہاں رشک و رقابت کا مضمون نہایت عمدہ الفاظ میں ادا ہوا ہے دوسرے معنے مذاق صوفیہ میں یہ ہو سکتے ہیں کہ "مقتول غمزۂ دوست ہی میرا قاتل ہو سکتا ہے۔ یعنی اہل فنا ہی مرتبہ اہل فنا میں پہنچا سکتے ہیں۔

"اقتلونی اقتلونی یا ثقاتی
ان فی قتلی حیاۃ فی حیاۃ"

ما حسرتی! ز شیوۂ غالب گرفتہ ایم	تعلی	آمیختن بہ بادۂ صافی گلاب را
دہ کہ نہ مار و انشد کار کسے بزندگی	حسرت ناکامی	کاش برند بعد مرگ بہرہ ز سنگ خشت ما
چشم از ہزار ناز تو پوشد کسے چرا	عاشقانہ	دل را بیک کرشمہ فروشد کسے چرا

	زحم ست برکسے کہ دراں کوے می رود در دست نامۂ من و برلب سلامِ ما	[illegible]

مصرع اول	شاعر	مصرع دوم
ملک پیکارِ دشمن رابسویش التجا آرد	[illegible]	اگر سینہ جراحت ہائے مژگانِ در آرش را
ای بیخبر چہ فائدہ؟ از استراق سمع	[illegible]	بے حرف وصوت نیز بیا بد خبر مرا
رازِ نہفتہ گفتم اگر ساقیا! مرنج	=	می گفتمت کہ بادہ مدہ این قدر مرا
ز لالہ دیدنِ لالہ گرت ہوست بخواب	[illegible]	بہارِ قدرتِ صانع چو دیدن ست مخسپ
دُور نبود اگر آں مردِ سبکتاز رسد	[illegible]	کہ سر آمدرہ و پندا شت کہ آغاز سے ہست
آنچہ خواہند بیابند۔ نخواہند آنرا	=	این سخن شمۂ از ہمتِ درویشان ست
پوشیدہ خوردم بادہ وآہمہ کنم وجد	=	در اہلِ خرابات رہ و رسم ریا نیست
گر بامِ بلند است۔ کمندِ دگر آور	[illegible]	واماندگی از سعی روا نیست روا نیست
در چارۂ او کوش کہ دیوانہ است امروز	[illegible]	از نکہتِ گل بوے ترا باز ندانست

یہ مضمون نہایت لطیف وتازہ ہے کہ عاشق دیوانہ بوے گل و بوئے یار میں

مصرع اول	شاعر	مصرع دوم
تمیز نہیں کرتا۔	=	
از بیمِ نوشبِ حسن بی زار ہمی کرد	[illegible]	زیں گونہ صداہا۔ کہ کس آواز ندانست
چشمم وصل ست کہ می میرم و نتوانم مرد	=	پاس از ست کہ می سوزم و نتوانم سوخت

ذوقِ این زمزمہ از خویش بُردم آورد — نصیرؔ — می سزا ہند کہ دل دادہ و دلدار یکی است

اضطراب دگر افزود دلِ شیدا را — = — التفاتِ تو کہ با نا ہمداراے ہست

یعنی اہل عشق و محبت حصول مراد و مقصد سے نہایت خائف رہتے ہیں اور اسکو وادی عشق کے عقبات سے سمجھتے ہیں۔

مشاطہ را بگو کہ بہ بزمِ ہوس رود — [illegible] — در چشمِ عشق زلفِ تو بے شانہ خوشتر است

یعنی ناظرین مناظر حسن و قدرت عاشق زار اور مصنوعی خوبیوں کے دلدادہ ہوس کار ہیں۔

کُشت او مرا و ہیچ شنیدی چگونہ کشت؟	[illegible]	زاں پیشتر کہ تیغ کشد خوں بہا گرفت
نگاہ کافرش غارتگر افتاد	=	مسلمانانِ غمِ ایماں ضرورست
کار ہمت نہ باندازۂ طاقت باشد	[illegible]	مرغِ بسمل شدہ را ہم سر پروازے ہست
دمِ جاں پرورِ او ہرچہ کہ دارد دائم	=	از ادب گرچہ نگوییم کہ اعجازے ہست
دُردی کشاں چو سوئے خرابات رو کنند	=	اوّل بآبِ چشمۂ حیواں وضو کنند
صد پردہ بروئے دوست بستند	=	زاں جملہ یکے جمال باشد
جز من بہ مانِ قتل بقاتل دعا کہ کرد؟	=	گو مُزد سہل بود ولیکن ادا کہ کرد؟
پہلوے عنبر بہ بزمش نکہتِ جا سے کہ نیست	[illegible]	چشم آں نم کہ نگاہِ غلط انداز کند

فریاد ز تقوے کہ بہ نیروش نتواں رفت	کے نشگفانہ	آہ! از روشِ او کہ سر و بام ندارد
فتنہ را از قدرِ عنائے تو امداد رسد	=	چرخ را از نگہتِ نسخہ بیداد رسد
طبعِ چالاک ترا می بسرِ خشم آورد	=	آہ! زاں لحظہ کہ آتش بکفِ باد رسد

گر بمستی آں بہاراں - جلوہ گل یاد آورد

داغِ مے گل گردد و - بلبل بفریاد آورد

خدایا! حشر برپا کن - بہنگامے کہ عاشق را

بدل حسرت - بگردن دشنہ - برلب آفریں باشد

	قطعہ	

حسرتی! ایں تازہ گل باشد نثارِ دوستی

بو کہ ما را از نسیم کوئے خود یاد آورد

غالب آں رنگیں نوا بلبل کہ ذوقِ نغمہ اش

عندلیبانِ گلستاں را - بفریاد آورد

میفروشد رائگاں در کوچۂ پیرِ مغاں

ہر متاعے را کہ دل از کوئے زہاد آورد

روزِ وصال ناز بمعشوقہ می کنم — آرے چنیں کند کہ بدولت گدا رسد

یہاں منتہائے عشق سے جنرد می ہے کہ حبیب عاشق درجۂ محبوبیت پر فائز ہو جاتا ہے ۔

جز حسرتی بپایۂ اوبش نمی رسد		در حیرتم کہ کار نظیری کجا رسد ؟
بیا و طاعتِ مقبول را ابجما بر		خلل بکار دعاہائے مستجاب انداز
گرت ہواست کہ چوں حسرتی نوا سنجی		بزیرِ شاخ گلے ۔ در قدح شراب انداز
چہ یادِ دوست کنی ۔ غیر را فراموش کن		چو نامِ عشق بری از سرِ نشاں برخیز
براں سرم کہ زہر نایب و بد کنارہ کنم		خورم شراب و رخِ نیکواں نظارہ کنم
بُتا ہوائے مرا شیخ صومعہ بشکست		بیا کہ خدمتِ رندِ شراب خوارہ کنم

رند ۔ اصطلاح صوفیہ میں اربابِ فقر و فنا کو کہتے ہیں ۔

شوقِ صد منصور را در جلوہ گاہ یار برد	[illegible]	ماہ ماں در بندِ فالِ سجۂ صد دانہ ایم
حسرتی ! عشقِ مجازی را حقیقی کردہ ایم	〃	پا ہوا نا آشنا و از ہوس بیگانہ ایم
بازم از رشک میا زار کہ در محفلِ تو	〃	خویش را دوش بصد حیلہ و فن آوردم
مرا بخشید و گاہے جز بدی نیکی ندید از من	[illegible]	نمیدانم ۔ کدامیں جرم ۔ ایزد برگزید از من
از پیش من رود بستانی کہ فی المثل	[illegible]	یوسف زہفت کاخِ زلیخا بر آمدہ

از مُردنِ خود نیست غم۔ امّا غمِ اینست	تصوف	گویند کہ معشوقِ تو اعجاز نفَس است
اگرچہ حسرتی! از اہلِ زہد و پرہیزم	=	ولے ز شاہد و مے نیز احترازم نیست
از پئے صیدِ تو۔ صد دام بہر جائے ہست	تجاہل عارفانہ	جرمِ من چیست؟ مرا نیز تمنائے ہست
سحری بود طلب وعدہ واثق فرمود	=	می شناسد کہ کرا حدِ تقاضائے ہست
جائے من تنگ۔ بہر جا ز رسوائی من	تصوف	جز خرابات کہ آنجا ہمہ را جائے ہست مجلس اربابِ فقر سے مراد ہے

قطعہ

ضیغمے۔ صبح بر آمد بتفرّج ز کنشت	تصوف	بسرِ وقتِ من افتاد و گذارے سرِ کشت
گفتمش کیستی؟ اینجا بچہ کار آمدہ		اے رخ و طرۂ تو سنبل و ریحانِ بہشت
گفت۔ دارم سخنی چند بپرسش در خور		خوب و رد ہر چہ آمدہ کمتر از زشت؟
گفتم۔ این سرِ سلوک است۔ بدیہا مگذارے		گفت سنجیدہ شمردی سخن اے نیک سرشت
گفت۔ رمزے است خرد سوز کہ دارد بیتاب		التہاب شرر او جگرِ خستہ برشت
بر سرِ موئے ضعیف اینہمہ بار از چہ فتاد؟		گفتمش زانکہ دلِ خود بمحبت بسرشت
گفت من ہم سخنِ نادرہ گفتن خواہم		گرچہ طبعِ تو بگیتی سخنِ نغز نہشت
لطفِ او مومن و کافر نگذارد محروم		پرتو او بہ حرم۔ نکہتِ گیسو بکنشت

دوش این طرفہ غزل خاطرِ من انشا کرد
حسرتی - خامہ در آمد طلبید و بنوشت

مقابلہ و موازنہ کلام حسرتی - با کلام شعرائے دیگر

حسرتی

روئے تو بسکہ بود پیش نظر ساعت	می تواں دید مثالِ تو در آئینۂ ما
از پئے جلوۂ شوخی کہ پری عاجز اوست	شوقِ شوخیِ پری داشتہ در سینۂ ما
داغ صہبا ربا - رونقِ پشمینۂ ما	مے در آدینہ بہ از طاعتِ آدینۂ ما
وبحہ ہیم دلِ اصحابِ صفا - جا داریم	وائے آنکس کہ بود در دلِ او کینۂ ما
کار ساقی و مغنی ہمہ می کرد - حبیب	حسرتی بود چہ خوش صحبتِ دوشینۂ ما

غالب

محو کن نقشِ دوئی از ورقِ سینۂ ما	ای ز آہت الف صیقلِ آئینۂ ما
وقت تاراجِ غمِ تست - چہ پیدا چہ نہاں	ہیچ رنگ از رخِ ما رفت - دل از سینۂ ما
عرصہ بر الفتِ اغیار چہ تنگ آمدہ است	خوش فرو رفتہ بطبعِ تو خوشا کینۂ ما
غالب امشب ہمہ از دیدہ چکیدن دارد	خونِ دل بود مگر - بادۂ دوشینۂ ما

نظیری

آنکہ بر ما رقمِ کیں زدہ از کینۂ ما
نقش آئینۂ خود دید در آئینۂ ما

عیدِ نوروز بود مکتبِ ما را ہر روز
بحجت گزرد سینہ و آدینۂ ما

زاں زراہے کہ بدنبالۂ چشمت برسید
خوں فرو میچکد از خرقۂ پشمینۂ ما

طُرفہ شورِ سحر از سینۂ نظیری برخاست
ساخت کارِ ہمہ را گریۂ دوشینۂ ما

حسرتی

امشب کم از قیامت ہنگامہ ندیدم
فردا اگر نہ بینم - دیدارِ آشنا را

در دہر جز خرابات جائے دگر نیابی
آنجا کہ خندہ آید بر بادشہ گدا را

بے مستیٔ شبانہ لطفِ صبوح نبود
پیرِ مغاں سحرگہ این نکتہ گفت ما را

نظیری

در پردہ رہ ندادند وقتِ سخن صبا را
من نیک مے شناسم پیغامِ آشنا را

با فقر و تنگ دستی شو مستِ عُجب و مستی
در کشورِ غیوراں - نخوت کُشد گدا را

حسرتی

بجز امید کہ ایمانِ عشق کیشاں است
کسے نداد تسلّی - دلِ زلیخا را

مرید پیرِ مغاں شو - کہ از اطاعتِ او
گزیر نیست جوانانِ بادہ پیما را

عجب نہ نرگسِ مخمور اوست خود داری
حجاب و شرم کجا مستِ بے محابا را

ہزار شکوۂ تلخ مرا فرو بُردی
بجانِ من زکہ آموختی مدارا را

نظیری

دراں نظارہ کہ بہ تیغ و کفت شعور نبود
ز رشک سوختہ بود آگہی زلیخا را

گر از ورع بگدا۔ زاہداں قدح ندہند
چہ مانع است حریفانِ بادہ پیما را

گذشت شوق ز اندازہ۔ گوشۂ نظری
کہ مے خموش کند مستِ بے محابا را

نوازشِ عزیز کرم می کند محبت نیست
تواں شناختن از دوستی مدارا را

حسرتی

اگر زاں طرۂ مشکیں صبا بو آورد ما را
برم صد خرمنِ گل نذر سرسبز و بخارا را

فلاطون فطقان از راز گیتی بیخبر رفتند
حکیمِ معنوی باید کشادِ ایں معمّا را

حافظ شیرازیؒ

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ ما را
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمّا را

حسرتی

اُفتاد رشحہ از لبِ ساقی بجامِ ما
مستی نمی رسد بخمارِ دوامِ ما

ساقی بباده - جادۂ بار افشاں دہد		مطرب بنغمہ باز نماید مقامِ ما
نے دام خوش - نہ دانہ خوش - آماز اتفاق		ہر بار شاہبازِ دہ افتد بدامِ ما

نظیری

مستی ربودہ از کفِ ہستی زمامِ ما		مطرب نمی دہد خبرے از مقامِ ما
خرمن بباد رفت دریں دشتِ پُرفریب		مرغے نشود گوشہ بالے بدامِ ما

حافظ شیرازیؒ

ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم		ای بیخبر ز لذتِ شُربِ مدامِ ما

حسرتی

جاں بتن میدمد ترانۂ ما		غم ز دل می برد فسانۂ ما
دیگرم نیست داوری با چرخ		گر ترا آورد بخانۂ ما
حرفِ شیریں شود فراموشش	[illegible]	خسروار بشنود فسانۂ ما
کبکِ کہسار و بلبلِ گلزار		گوش دارند بر ترانۂ ما
دریں فروشانِ خانہ بردوشیم		دلق و دستارِ ماست خانۂ ما

حسرتی

کام در بخشش آمدہ از عشق مجوے		عیش مخصوص بکفرست ز ایماں مطلب

نظیری

فرض و سنت بنما شاے تو از یاد ہم رفت
پردہ بردے و فگن - از من ایمان مطلب

حسرتی

ز لالہ دیدنِ لالہ گرت ہواست بخواب
بہارِ قدرتِ صانع چو دیدنست مخسپ

دمِ صلوٰۃ و صبوحی ست حسرتی برخیز
بہ نعمتِ دو جہاں گر رسیدنست مخسپ

غالب

نشانِ زندگیِ دل دویدنست بایست
جلائے آئینۂ چشم - دیدنست مخسپ

بذکرِ مرگ شبی - زندہ داشتن ذوقے است
گرت فسانۂ غالب شنیدنست مخسپ

غزل

ہمانکہ منع من از بادہ مے نمود مدام
شبش بہ میکدہ دیدم کہ غافل افتادہ است

دلت بحسنِ بتاں از چہ مائل افتادہ است
بغیرِ ہستیِ حق - ہر چہ باطل افتادہ است

بشب چو مہر بباید - سحر چو با درود
فغاں کہ مہر مرا - برقِ حائل افتادہ است

ہر آنکہ یافت ز اہلِ صفا نظر داند
کہ انکشافِ حقیقت - چہ مشکل افتادہ است

دعا بکعبہ پذیرند - لیک حیرانم
امیدوار ز میخانہ - سائل افتادہ است

خرد زمانہ بنرخِ کمال نقصانش
کہ حسرتی بفنِ خویش کامل افتادہ است

نظیری

شکستہ بر ورقِ جبہہ تو خامہ حکیم	کہ ابروانِ ترا عقدۂ مشکل افتادہ است
یکے بگو بہ غریبانِ شہر سیری کن	ببین کہ نقشِ امل ہا چہ باطل افتادہ است
گدائے پیرِ مغاں شو کہ پادشاہ و فقیر	بر آستانۂ میخانہ سائل افتادہ است

غالب

زمین گسستی و پیوند مشکل افتادہ است	مرا مگیر بجوئے کہ در دل افتادہ است

حسرتی

چہ خوش است! با تو بزمے بنہفتہ ساز کردن		درِ خانہ بند کردن سرِ شیشہ باز کردن
تو و رقص و می پرستی من و وجد و جوشِ مستی		تو و نغمہ ہائے دلکش من و نالہ ساز کردن
سرِ من فدائے نازت ز عدو دگر چہ خواہی		تو و عشوہ ساز کردن من و دل نیاز کردن
دلِ زاہداں بنجاں بنہفتہ حسرتی خور		تو اگر ہمی توانی ز مے احتراز کردن
چہ خوش است اندو یکدل سرِ حرف باز کردن	ایضاً	سخنِ گذشتہ گفتن گلہ را دراز کردن
تو اگر بجور سوزی ز جفا کشاں نیاید		بجز از دعائے جانت ز سرِ نیاز کردن
بنجاں گرفتہ جا بہ بیاں شیریں		کہ تواں ترا و جاں را ز ہم امتیاز کردن
ز شکار سے ندارم سرِ برگ سجدہ ست		دل و خاطرِ پریشاں نتواں نماز کردن

تو بخویشتن چه کردی که بما کنی نظیری		بخدا که واجب آمد ز تو احتراز کردن

غالب

چه غم ار به بدگرفتی ز من احتراز کردن		نتوان گرفت از من بگذشته ناز کردن
تو و در کنارِ شوقم گره از جبین کشودن		من و سیرِ رخ دو عالم در دل فراز کردن
بفشار رشکِ مهرت بچنان گداخت گلشن		که بیانه گل و مل رسد امتیاز کردن
هله تازه گشته غالب روشِ نظیری از تو		سزد ار چنین غزل را بسفینه ساز کردن

حسرتی

تا کجا بر طمعِ وصل شکر خند کنی		عشق آمیختهٔ زهر هوس چند کنی
بنده را نیست بمیلانِ طبیعت کاری		کارها بر نمطِ امرِ خداوند کنی
ای محبت ز تو خوش بوالعجبی ها آمد		طفل را فتنهٔ پیرانِ خردمند کنی
سعی در کار نما و به جهان کار مدار		دو جهان از تو اگر کار بر آن پند کنی

نظیری

بهتر از صحبتِ اربابِ خرد بگزینی		ترکِ هم بزمیِ پرشور و سرِ چند کنی
تحمل از کردهٔ خود تا نشوی می باید		حلم را ابر غضب و خشم خداوند کنی
طبع نادانِ سبکسار نگیرے هرگز		وزنِ خود راست بمیزانِ خردمند کنی

ہم نے سطور بالا میں غالبؔ، نظیریؔ اور حافظؔ شیرازی کی چند ہم طرح غزلوں کو حسرتیؔ کے کلام کے مقابلہ میں صرف اس خیال سے پیش کیا ہی کہ نکتہ رس طبائع مختلف شعرا کی جولانیٔ طبع کو ایک ہی زمین میں دیکھکر لطف حاصل کریں اور ارباب ذوقِ سلیم موازنہ کریں کہ سب سے پچھلا سخنور جو میدان سخن میں آیا ہے اُس نے اپنے متقدمین کی روش کو کس درجہ ترقی دی ہی اور باوجود ہندوستانی نژاد ہونے کے فارسی زبان پر اُس کو کس قدر قدرت حاصل ہی۔ فقط

تمام شد

صحت نامہ متعلق حالات حضرت شیفتہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹	۲۹	ثمر	ثمر	۱۹	۵	میسائید	میسائیدند
۱۰	۱۳	ببا بند	بیا بند	؍؍	۶	رسیدند	رسیدن
؍؍	۱۴	بما یند	نمایند	۲۰	۹	بادا	باده
؍؍	۱۵	ہاخوانند	دعاخوانند	؍؍	۱۵	حدیث پرشور	حدیث پرشوردرا
۱۶	۱۴	بگزد	بگذرد	۲۱	۷	درا	دراں
؍؍	۱۵	ترشیده	ترسیده	۲۲	۶	گرندی	گزندے
۱۷	۵	ود	دو	۲۴	۱۱	مسحد	مسجد
؍؍	۶	اشرب	اشرف	۲۵	۱۲	امرش	امرزش
؍؍	۹	وشازده	وشانزده	۳۰	۱۲	تاریخ دہی	تاریخ
۱۸	۱	خواند	خوانند	؍؍	۱۳	مفتی صاحب	نیر مرحوم
؍؍	۲	چو	پھول	۳۱	۹	گلشن بخار میں آپ کا ذکر	گلشن بخار میں مفتی صاحب کا ذکر
؍؍	۱۲	کم	گُم	۳۲	۱۶	ازبان	اززبان
۱۹	۳	آوازگیست	آوازگیست‌ها	۴۰	۴	آفریبوں	آفرینیوں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۵	۷	پاسے اعتبار	پایۂ اعتبار
۴۷	۱۹	طران	طراز
۴۸	۱۳	سرشرو	سرخرو
۵۷	۵	فظر	نظر
۶۱	۴	جاہ جلال	جاہ و جلال
۶۵	۸	جسم	جسم و
۶۶	۲	پرلیط	[illegible]
۷۲	۷	دیوان فارسی	دیوان فارسی
۷۳	۱	تغیر	تغیّر
۷۷	۲	آیین	آئین
۷۸	۹	اہمہ	آہستہ
۸۲	۶	ضیمے	ضمنے
۸۸	۴	شکل	مشکل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

خواہاں ہوں بوئے باغ تنزہ شمیم کا
یارب ادھر بھی بھیج دے جھونکا نسیم کا

تیرے گدا کو سلطنتِ جم سے کیا کہ ذوق
ہے کاسۂ شکستہ میں جامِ دونیم کا

بے رنگ جلوہ بارقۂ ہوش سوز ہے
کیا امتیاز رنگ سے کیجے شمیم کا

تیری نسیمِ لطف سے گل کو شگفتگی
وابستہ تیرے حکم پہ چلنا نسیم کا

واجب کی حکمت آئے گی ممکن کی عقل میں
کتنا دماغ ہے خلل آگیں حکیم کا

دقّت سے پہلے عجز سلامت کی راہ ہے
کیسا سپاسدار ہوں عقلِ سلیم کا

میری فنا ہے مشغلۂ محفلِ بقا
پروانہ ہوں میں پہ تو شمعِ قدیم کا

گر تیرے شوق میں ہیں یہی بیقراریاں
لے لوں گا بوسہ پایۂ عرشِ عظیم کا

طاعت اگر نہیں تو نہ ہو یاس کس لیے
وابستہ سبب ہے کرم کب کریم کا

جس وقت تیرے لطف کے دریا کو جوش آئے
فوّارہ جناں ہو زبانہ جحیم کا

اے شیفتہ عذابِ جہنم سے کیا مجھے
میں امتی ہوں نار و جناں کی قسیم کا

یہ فیضِ عام شیوہ کہاں تھا نسیم کا
آخر غلام ہوں میں تمہارا قدیم کا

پیمانِ ترکِ جاہ لیا پیرِ دیر نے
پیمانہ دے کے بادۂ عنبر شمیم کا

کیا ڈھونڈھتی ہے قوم کہ آنکھوں میں قوم کی
خلدِ بریں ہے طبقۂ اسفل جحیم کا

اس شوخ کج ادا سے نہ آئی موافقت
کیونکر گلہ نہو مجھے طبعِ سلیم کا

شکوے یہ اب جو ہوتے ہیں یاں ہم نے نہیں
انداز ہم میں اُن میں یہی ہے قدیم کا

اُس وقت ہم گنے گئے احباب خاص میں
آیا جو تذکرہ کبھی لطفِ عمیم کا

بدمستیاں کبھی کبھی مستوری و عفاف
دستور ہے طبیعتِ نامستقیم کا

اُس رشکِ گل کی بسترِ گل سے ہی احتراز
ممنون ہوں عدو کے مزاجِ سقیم کا

اے جانِ بیقرار ذرا صبر چاہیے
بیشک ادھر بھی آئے گا جھونکا نسیم کا

جسکی سرشت صاف نہو آدمی نہیں
نیرنگ و عشوہ کام ہے دیو رجیم کا

اب جستجو ہے اُن کو ہماری تو کیا حصول
باقی نہیں اثر بھی عظامِ رمیم کا

عاشق بھی ہم ہوئے تو عجب شخص کے ہوئے
جو ایک دم میں خون کرے سو ندیم کا

ہم نے کئے قواعدِ وحشت جو منضبط
اہلِ جنوں میں ہمکو لقب ہے حکیم کا

ہی کارنامہ جب سے بیاض اپنی شیفتہ
تقویم سال رفتہ ہے دیوان کلیم کا

جب سے عطا ہوا ہمیں خلعت حیات کا
کچھ اور رنگ ڈھنگ ہوا کائنات کا

شیشہ اُتار شکوے کو بالائے طاق رکھ
کیا اعتبار زندگی بے ثبات کا

لڑتے ہو جب رقیب سے کرتے ہو مجھ سے صلح
مشتاق یہاں نہیں کوئی اس التفات کا

گر تیرے تشنہ کام کو دے خضر مرتے دم
پانی ہو خشک چشمۂ آب حیات کا

یہاں خار و خس کو بے ادبی سے نہ دیکھنا
ہاں عالم شہود ہے آئینہ ذات کا

کہتے ہیں جان جانتے ہیں بیوفا مجھے
کیا اعتبار ہے اُنھیں دشمن کی بات کا

واعظ جنون دوست نہیں بازپرس حشر
بس آپ فکر کیجئے اپنی نجات کا

جوش سرشک خوں کے سبب سے دم رقم
نامہ نہیں رہا یہ ورق ہے برات کا

اے مرگ آ کہ میری بھی رہجائے آبرو
رکھا ہی اُس نے سوگ عدو کی وفات کا

لیسے کے آگے شیفتہ کیا چل سکے یہاں
احسان ایک عمر رہے ایک رات کا

کیا فائدہ نصیحت ناسود مند کا
کیا خوب پند گو بھی ہے محتاج پند کا

جب میں نہیں پسند تو پھر اور آ چکی
عاشق ہوں اُسکی خاطر مشکل پسند کا

اے بادِ صبح تا بہ کجا اہتزازِ گل
گوشہ الٹ دے یار کے منہ سے پرند کا

اُس ماہ وش کو غیرِ سیہ رو سے کام کیا
ہی فیض اپنے اخترِ بختِ نژند کا

اُس کوچہ میں ہی عزتِ خسرو گدا سے کم
کیوں ناز مستمند سہی ارجمند کا

نالہ تو نارسا نہیں کیونکر گلہ کروں
میں شکوہ سنج ہوں ترے کاخِ بلند کا

دیوان کو ہمارے بتوں کی نگاہ میں
اے **شیفتہ** وہ رتبہ ہی جو بید و زند کا

۵

کچھ انتظار مجھکو نہ مے کا نہ ساز کا
ناچار ہوں کہ حکم نہیں کشفِ راز کا

لگتے نہیں پلک سے پلک جو تمام شب
ہی ایک شعبدہ مژۂ نیم باز کا

دشمن پئے صبوح جگاتے ہیں یار کو
یہ وقت ہی نسیمِ سحر اہتزاز کا

ایمن ہیں اہلِ جذبہ کہ رہبر ہی اُنکے ساتھ
سالک کو ہی خیال نشیب و فراز کا

پھنسنے کے بعد بھی ہے وہی شگفتگی
کیا خوب جال ہے نگہِ جاں نواز کا

تقوی مرا شعار ہی عصمت سرشت دوست
پھر مجھسے کونسا ہی سبب احتراز کا

بارے عجیب بات تو پھیلی جہان میں
پایا کسی نے گو ثمر افشائے راز کا

ساقی کے ہیں اگر یہی الطاف کیا عجب
ارض و سما میں ہوش نہوا امتیاز کا

پیرِ مغاں نے رات کو وہ کچھ دکھا دیا
ہرگز رہا نہ دھیان بھی حسنِ مجاز کا

دیتا ہے داغ رشکِ پرندِ سپہر کو
جلوہ تمہاری معجزِ گوہر طراز کا

پانی وضو کو لاؤ رخِ شمع زرد ہی
مینا اُٹھاؤ وقت اب آیا نماز کا

یکتا کسی کو ہم نے نہ دیکھا جہان میں
طولِ امل جواب ہی زلفِ دراز کا

جورِ اجل کو شوخیٔ بیجا کہا کیا
تھا محو شیفتہ جو کسی مستِ ناز کا

نہ اس زمانہ میں چرچا ہی دانش و دیں کا
نہ شوق شعرِ تر و بذلہ ہائے رنگیں کا

شمیمِ زلف ہی ہی تو وحشتِ دل سے
کب انتظار کیا موسمِ ریاحیں کا

بنات نعش نے کس وقت سے اُٹھا رکھیں
نہیں ستارہ گہر خاندان پہ دیں کا

ازل میں دیکھتے ہی ہم سخن کو سمجھے تھے
کہ مشتری نہیں اس گوہرِ نو آئیں کا

تماشا ہی نہایت خلافِ شیوۂ عشق
غلط ہی شوق ہمیں گریہ ہائے رنگیں کا

وہ طرفہ حال کہ جس سے جماد رقص کرے
نہ رنگ بھی متغیّر ہوا اہلِ تمکیں کا

ہزار مرتبہ فرہاد جان شیریں دے
وہی ہی حق نمکِ عشوہ ہائے شیریں کا

عجیب حال ہیں ہی شیفتہ معاف کرو
جو کچھ قصور بھی ہو اس غلامِ دیریں کا

ہائے اُس برق جہاں سوز پہ آنا دل کا
نہ سمجھے جو گرمیٔ ہنگامہ جلانا دل کا

ہی تیرا سلسلۂ زلف بھی کتنا دلبند
پھنسنے سے پہلے بھی مشکل تھا چھٹنا دل کا

دیکھتے ہم بھی کہ آرام سے سوتے کیونکر
نہ سُنا تم نے کبھی ہائے فسانا دل کا

ہمسے پوچھیں کہ اسی کھیل میں کھوئی ہی عمر
کھیل جو لوگ سمجھتے ہیں لگانا دل کا

عاقبت چاہِ ذقن میں خبر اُس کی پائی
مدتوں سے نہیں لگتا تھا ٹھکانا دل کا

کس طرح درد محبت میں جتاؤں اُس کو
بھید لڑکوں سے نہیں کہتے ہیں دانا دل کا

ہم یہ سمجھے تھے کہ آرام سے تم رکھو گے
لائیے تمکو ہی منظور ستانا دل کا

ہم بھی کیا سادے ہیں کیا کیا ہیں توقع اُس سے
آجتک جس نے ذرا حال نجانا دل کا

جلوہ گاہ غم و شادی دل و شادی کمیاب
کیوں نہو شکوہ سرا ایک زمانا دل کا

شکل مانند پری اور یہ افسوں وفا
آدمی کا نہیں مقدور بچانا دل کا

شیفتہ ضبط کرو ایسی ہی کیا بیتابی
جو کوئی ہو تمہیں احوال سُنانا دل کا

ہم پہ ہے التفات ہمارے حبیب کا
گیرا ہنگ نہیں ہی قفس عندلیب کا

اب وہ ہی جلوہ ریز لباسِ سپاس ہیں
جو عہد کہنہ کی ہیں گلہ تھا ادیب کا

اچھا جو اس کو سونگھے تو آجائے اُسکو غش
اچھا اثر ہے زلف معنبر کی طیب کا

تیری گلی سے آگے نہ ہرگز ہوا چلے
کوچہ سے تیرے پاؤں نہ اُٹھے غریب کا

مصروف ہی بہت وہ ہمارے علاج میں
ہم بھی ذرا علاج کریں گے طبیب کا

تسلیم سے وفاق رضا سے ہی اتفاق
سنے چرخ کا گلہ نہ گلہ ہے ہی نصیب کا

ہم پاؤں پھونک پھونک کے رکھتے ہیں کیا کریں
اُس بزم میں ہی دخل سراسر رقیب کا

ہوجائے کاسہ لیس سگِ قانِ میکدہ
جسکو کہ اشتیاق ہی حالِ عجیب کا

سنتے ہی نام دشمن صد سالہ ہو گیا
پوچھا جو مجھ سے نام کسی نے حبیب کا

اُس شاخ گل نے لی ہی جو بلبل تو شیفتہ
دیکھے چمن میں شور کوئی عندلیب کا

٩

محو ہوں میں جو اُس ستمگر کا
ہے گلہ اپنے حالِ ابتر کا

حال لکھتا ہوں جانِ مضطر کا
رگِ بسمل ہے تارِ مسطر کا

آنکھ پھرنے سے تیرے مجھکو ہوا
گردشِ دہر دورِ ساغر کا

شعلہ رو یار شعلہ رنگ شراب
کام یہاں کیا ہے دامنِ تر کا

شوق کو آج بیقراری ہے
اور وعدہ ہے روزِ محشر کا

نقش تسخیر غیر کو اُس نے
خوں لیا تو مرے کبوتر کا

میری ناکامی سے فلک کو حصول
کام ہے یہ اُسی ستمگر کا

اُس نے عاشق لکھا عدو کو لقب
ہائے لکھا مرے مقدر کا

آپ سے لحظہ جاتے ہو
شیفتہ ہی خیال کس گھر کا

۱۰

سب حوصلہ جو صرف ہوا جورِ یار کا
مجھ پر گلہ رہا ستمِ روزگار کا

ٹھٹھا کیا ہجومِ بہر زیارت ہزار کا
گل ہو گیا چراغ ہمارے مزار کا

جور و جفا بھی غیر پہ اے یارِ دلشکن
کچھ بھی خیال ہی دلِ امیدوار کا

کھلنے لگے ہیں از سرِ نو غنچہائے زخم
یہ فیض ہے صبا کی دمِ مشکبار کا

گر چاہتے ہو جامہ نہو چاک ناصحا
منگوا دو پیرہن مجھے اُس گلعذار کا

ہر کوچہ میں کھلی ہی جو دُکان مے فروش
کیا فصل ہی شراب کی موسمِ بہار کا

گھبرا کے اور غیر کے پہلو سے لگ گئے
دیکھا اثر یہ نالۂ بے اختیار کا

وہ آتے آتے غیر کے کہنے سے تھم گئے
اب کیا کروں علاج دلِ بیقرار کا

آزاد ہی عذابِ دو عالم سے شیفتہ
جو ہے اسیرِ سلسلۂ تابدار کا

۱۱

اُس بزم میں ہر چیز سے کمتر نظر آیا
وہ حسن کہ خورشید کے جھبکے سے بر آیا

بیفائدہ ہے وہم کہ کیوں بے خبر آیا
اس راہ سے جاتا تھا ہمارے بھی گھر آیا

کچھ وہ نہیں ان سے کہ نیرنج بتا دیں
کیا فائدہ گر آنکھ سے لخت جگر آیا

گو کچھ نہ کہا پر ہوئے دل میں متاثر
شکوہ جو زباں پر مری آشفتہ تر آیا

بے طاقتیٔ شوق سے میں اٹھ ہی چکا تھا
ناگاہ وہ بیتاب مری قبر پر آیا

بے قدر ہے مفلس شجرِ خشک کی مانند
یہاں درہم و دینار میں برگ و ثمر آیا

حالِ دلِ صد چاک پہ کٹتا ہے کلیجا
ہر پارہ اک الماس کا ٹکڑا نظر آیا

دیکھے کہ جدائی میں ہی کیا حال وہ بدظن
اس واسطے شب گھر میں مرے نے جبر آیا

کیا دیر ہوئی ساقیٔ گلفام سحر ہے
کیا عذر ہے اے زاہدِ خشک ابر تر آیا

روداد میں ہیں شیفتہ کے مختلف اقوال
پوچھیں گے وہاں سے جو کوئی معتبر آیا

۱۲

جب رقیبوں کا ستم یاد آیا
کچھ تمھارا بھی کرم یاد آیا

کب ہمیں حاجتِ پرہیز پڑی
غم نہ کھایا تھا کہ سم یاد آیا

نہ لکھا خط کہ خطِ پیشانی
مجھکو ہنگامِ رقم یاد آیا

شعلۂ زخم سے اے صید فگن
داغ آہوئے حرم یاد آیا

کھٹکے کیا دل کہ تیری شوخی سے
اضطرابِ پئے ھم یاد آیا

خوبیٔ بخت کہ پیمانِ عدو
اس کو ہنگامِ قسم یاد آیا

کھل گئی غیر سے الفت اسکی
جامِ مے سے مجھے جم یاد آیا

وہ مرا دل ہے کہ خود بینوں کو
دیکھکر آئنہ کم یاد آیا

جذبۂ شوق کی تاثیر اسے کہتے ہیں
سن کے قاصد کی خبر آپ ہی در پہ آیا

خاک ہونے کا مرے ذکر نہ آیا ہو کہیں
آج اس بزم سے کچھ غیر مکدر آیا

اُٹھ گئے ہوش کہ پیغامِ اجل ہی یہ جواب
کوچۂ یار سے زخمی جو کبوتر آیا

دلِ عدو پاک ہیں ہی کاکلِ مشکیں کا خیال
کہ مجھے گریہ جو آیا تو مسلسل آیا

اے اجل تیرِ نگہ کی تو مجھے مہلت دے
اہلِ ماتم میں یہ چرچا ہے کہ دلبر آیا

اپنی محفل سے یہ آزردہ اُٹھایا مجھ کو
کہ منانے کے لیے آپ مرے گھر آیا

نہ دیا ہائے مجھے لذتِ آزار نے چین
دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا

آپ سے تو نہیں جیتے ہی بن آسے گی
شیفتہ ضد یہ جو اپنی وہ ستمگر آیا

۱۰

رات واں گل کی طرح سے جسے خنداں دیکھا
صبح بلبل کی روش ہمدم افغاں دیکھا

کوئی بے جان جہاں میں نہیں جیتا لیکن
تیرے مہجور کو جیتے ہوئے بے جاں دیکھا

ہم نے کیا جانیے کس ذوق سے دی جاں وقتِ قتل
کہ بہت اُس سے ستمگر کو پشیماں دیکھا

نہ ہوا یہ کہ کبھی اپنے گلے پر دیکھیں
یوں تو سو بار ترا خنجرِ براں دیکھا

اس طرف کو بھی نگہ تا سرِ مژگاں آئی
بارے کچھ تو اثرِ گریۂ پنہاں دیکھا

پائمال ہوئے مرقد پہ مری آ کے وہ جب
شمع کو نعش پہ پروانہ کی گریاں دیکھا

قطعہ

غم غلط کرنے کو احباب ہمیں جانب باغ
لیگئے گل تو عجب رنگ گلستاں دیکھا

وہ وہیں خاصیت انگیزۂ سوزاں پائی
نسترن میں اثرِ خارِ مغیلاں دیکھا

ایک نالے میں ستم ہائے فلک سے چھوٹے
جسکو دشوار سمجھتے تھے سو آساں دیکھا

کون کہتا ہی کہ ظلمت میں کم آتا ہے نظر
جو نہ دیکھا تھا سو ہم نے شبِ ہجراں دیکھا

شیفتہ زلف پریرو کا پڑا سایہ کہیں
میں نے جب آپکو دیکھا تو پریشاں دیکھا

جفا و جور کا اُس سے گلا کیا
جو پوچھے مہربانی کیا وفا کیا

وہ بے پروا جوابِ نامہ لکھے
خدا جانے کہ دشمن نے لکھا کیا

دیا کیوں ہمنے اُس بدخو پہ عاشق
ہمارا دوست کوئی بھی نہ تھا کیا

شمیم گل میں بوئے پیرہن ہے
غلط ہی یہ کہ احسانِ صبا کیا

نہ لکھنا تھا غمِ ناکامیٔ عشق
جوابِ نامہ سے لے مدعا کیا

ہمیں تھا آپ قصدِ عرضِ احوال
جو وہ خود پوچھتے ہیں پوچھنا کیا

تماشا ہی جلے گر خانۂ غیر
وہ کہتے ہیں کہ آہِ شعلہ زا کیا

فنائے عاشقاں عینِ بقا ہی
دیت زندوں کی کیسی خوں بہا کیا

اگر ہی بوالہوس تو قتل کرچک		عدو سے وعدۂ شوق آزما کیا

قطعہ

کہا کل میں نے اے سرمایۂ ناز	۱۵	تلوّن سے یہی تمکو مدّعا کیا
کبھی مجھپر عتاب بے سبب کیوں		کبھی بے وجہ غیروں سے وفا کیا
کبھی محفل میں وہ بیباکیاں کیوں		کبھی خلوت میں یہ شرم و حیا کیا
کبھی تمکین صولت آفریں کیوں		کبھی الطاف جرأت آزما کیا
کبھی وہ طعنہ ہائے جانگزا کیوں		کبھی یہ غمزہ ہائے جانفزا کیا
کبھی شعروں سے میری نغمہ سازی		کبھی کہنا کہ یہ تمنے کہا کیا
کبھی سنکے جو ہم یہ آزردہ ہونا		کہ کیا طاقت جو پوچھوں میں خطا کیا
کبھی اس دشمنی پہ پھر تسکیں		پئے ہم جلوہ ہائے دلربا کیا
یہ سب طول اس نے سنکے بے تکلف		جواب اک مختصر مجھکو دیا کیا

ابھی اے شیفتہ واقف نہیں تم
کہ باتیں عشق میں ہوتی ہیں کیا کیا

پری رو عشق کے افسوں سے مائل ہو گیا	۱۶	سنتے ہیں مشہور ہیں لوگوں میں عامل ہو گیا
نہیں فرہاد وہ خسرو نہیں پھر کیا سبب		غیر کا مائل جو وہ شیریں شمائل ہو گیا

اشکباری ہمکناری کی ہوس میں رات تھی
قلزمِ گریہ کو اسکا دہیان ساحل ہو گیا

زخم میرے خنجرِ خونریز تھے اغیار کو
بیوفائی سے خجل کسوقت قاتل ہو گیا

اہلِ وحشت کو مری شورش سے لازم ہی خطر
میں وہ مجنوں ہوں کہ مجنوں کے مقابل ہو گیا

رشکِ خسرو سے تصرف تارۂ شیریں نے اٹھ
سینۂ فرہاد مثلِ بے ستوں سِل ہو گیا

ہی خراشِ ناخنِ غم میں بھی کیا بالیدگی
جو ہلال غرہ تھا سو ماہ کامل ہو گیا

عید کے دن ذبح کرنا اور بھی اچھا ہوا
حلقۂ اسلام میں وہ شوخ داخل ہو گیا

اُس کے اُٹھتے ہی یہ ہلچل پڑ گئی بس بزم میں
طورِ روزِ حشر سب کو طورِ محفل ہو گیا

ہوش تو دیکھو کہ سُنکر میری وحشت کی خبر
چھوڑ کر دیوانہ پن کو قیس عاقل ہو گیا

ہاتھ اُٹھایا اُس نے قتلِ بیگنہ سے میرے بعد
طالعِ اغیار سے جلّاد عادل ہو گیا

حسن کے اعجاز نے تیرے مٹایا کفر کو
تیرے آگے نقشِ مانی نقشِ باطل ہو گیا

سحر کے دم جو رویا وہ بڑی تسخیر تھی
آبِ چشمِ یار آبِ چاہِ بابل ہو گیا

ہی عدم میں بھی تلاشِ سرمہ و مشک و تمک
شیفتہ تیغِ نگہ سے کسکی گھائل ہو گیا

۲۰

یار کو محرم تماشا کیا
مرگِ مفاجات نے یہ کیا کیا

آپ جو بیٹھے رہے شب بزم میں
جان کو دشمن کی میں پایا کیا

عرضِ تمنا سے رہا بیقرار
شب وہ مجھے پاس لئے چھیڑا کیا

سرد ہوا دل وہ ہے غیروں سے گرم
شعلے نے الٹا مجھے ٹھنڈا کیا

مہر قمر کا ہی اب اُن کو گماں
آہ فلک سیر نے یہ کیا کیا

اُنکو محبت ہی میں شک پڑ گیا
ڈر سے جو شکوہ نہ عدو کا کیا

دیکھیے اب کون ملے خاک میں
یار نے گردوں سے کچھ ایما کیا

حسرتِ آغوش ہی کیوں ہمکنار
غیر سے کب اُس نے کنارا کیا

چشمِ عنایت سے بچی جان مجھے
نرگسِ بیمار نے اچھا کیا

غیر ہی کو چاہیں گے اب شیفتہ
کچھ تو ہی جو یار نے ایسا کیا

۲۱

اُس جنبشِ ابرو کا گلا ہو نہیں سکتا
دل گوشت ہے ناخن سے جدا ہو نہیں سکتا

کچھ تو ہی اثر کر ترے قربان خموشی
نالوں سے تو کچھ کام مرا ہو نہیں سکتا

گر غیر بھی ہو وقفِ ستم تو ہے مسلم
کچھ تم سے بجز جور و جفا ہو نہیں سکتا

کھولے گرہ دل کو ترا ناخنِ شمشیر
یہ کام اجل سے بھی روا ہو نہیں سکتا

سبقت ہو مجھے راہ میں اُس کوچے کی کیونکر
زنہار یہ اے راہ نما ہو نہیں سکتا

ایسے جو کہا ہمدمِ اغیار نہ ہوجے
تو چیں بجبیں ہو کے کہا ہو نہیں سکتا

یہ رازِ محبت ہی نہ افسانۂ بلبل
کب طالعِ خفتہ نے دیا خواب میں آنے

محرم ہو مری بادِ صبا ہو نہیں سکتا
وعدہ بھی کیا وہ کہ وفا ہو نہیں سکتا

وہ مجھ سے خفا ہی تو اُسے یہ بھی ہی زیبا
شیفتہ میں اُس سے خفا ہو نہیں سکتا

صبح ہوتے ہی گیا گھر مہ تاباں میرا
گرم گرم اُس رُخِ نازک پہ نظر کی کس نے
وادیٔ نجد کو دلّی سے نہ دینا نسبت
دیکھکر میری طرف ہنسکے کہا یہ دمِ قتل
نہ گھر آیا نہ جنازہ پہ نہ مرقد پہ کبھی
چارہ ساز وہ کوئی رہتا ہی بجز چاک ہوئے

پنجۂ خور نے کیا چاک گریباں میرا
رشکِ گلریز ہی کیوں دیدۂ گریاں میرا
ہی وہ مجنوں کا بیاباں یہ بیاباں میرا
آج تو دیکھ لیا آپ نے پیماں میرا
حیف صد حیف نہ نکلا کوئی ارماں میرا
آپ سو پارسیں ہیں یہ گریباں میرا

اُسکی زلفوں کا نہو دھیان تو ای شیفتہ پھر
اس شبِ ہجر میں ہی کون نگہباں میرا

گور میں یادِ قدِ یار نے سونے نہ دیا
واہ اے طالعِ خفتہ کہ شبِ عیش میں بھی
وا رہیں صورتِ آغوش سحر تک آنکھیں

فتنۂ حشر کو رفتار نے سونے نہ دیا
وہم بیخوابیٔ اغیار نے سونے نہ دیا
شوق ہمخوابیٔ دلدار نے سونے نہ دیا

یاس سے آنکھ بھی جھپکی تو توقف سے کھلی
صبح تک دیدۂ دیدار نے سونے نہ دیا

طالعِ خفتہ کی تعریف کہاں تک کیجے
پاؤں کو بھی خلشِ خار نے سونے نہ دیا

درد دل سے جو کہا نیند نہ آئی تو کہا
مجھکو کب نرگسِ بیمار نے سونے نہ دیا

شبِ ہجراں نے کہا قصۂ گیسوئے دراز
شیفتہ تو بھی دلِ زار نے سونے نہ دیا

۲۷

آج ہی کیا آگ ہی سرگرم کین تو کب نہ تھا
شمع ساں مجبور جوئے آتشیں تو کب نہ تھا

آج ہی دعویٰ ہی کیا تجھکو بتانِ دہر سے
غیرتِ غلمان و رشکِ حور عیں تو کب نہ تھا

آج ہی بات بات پہ بیوجہ کیا رکتا ہے تو
اے ستمگر بر سرِ پرخاش و کیں تو کب نہ تھا

آج ہی تیری جگہ کچھ سینہ و دل میں نہیں
مثلِ تیرِ غمزۂ ظالم دلنشیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا شرم و شوخی کو ملایا ہے بہم
غیر سے بیباک مجھ سے شرمگیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا ہی فلک پر شکوۂ فریادِ خلق
اے ستمگر آفتِ روئے زمیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا دشمنوں سے قتل کی تدبیر ہے
ای جفا جو درپئے جانِ حزیں تو کب نہ تھا

آج ہی باتیں بنائی یہاں کے آنے میں نہیں
حیلہ گر تو کب نہ تھا عذر آفریں تو کب نہ تھا

آج ہی اُٹھکر یہاں سے کیا عدو کے گھر گیا
مہوشِ شب کو کہیں و ان کو کہیں تو کب نہ تھا

آج ہی ٹیکا لگانے سے لگے کیا چار چاند
غیرتِ بے تکلف مہ جبیں تو کب نہ تھا

آج ہی کچھ سوزِ ہجراں سے نہیں پروانہ وار
شیفتہ بیتاب ہے آتش نشیں تو کب نہ تھا

25

میں پریشاں گرد اور محفل نشیں تو کب نہ تھا
ہر کہیں کس دن نہ تھا میں ہر کہیں تو کب نہ تھا

یہاں سبک حسرتِ ملا واں گراں عرضِ نیاز
سخت جاں میں کب نہ تھا اور نازنیں تو کب نہ تھا

ناصح و واعظ کی مطعوں ای صنم ہم کب نہ تھے
آفتِ جاں و بلائے عقل و دیں تو کب نہ تھا

انتہا کی بات ہی یہاں ابتدائے عشق ہے
ہم نہ تھے کب عجز گستر خشمگیں تو کب نہ تھا

جستجو میں سرمۂ تسخیر کی ہم کب نہ تھے
چشمِ افسوں ساز سے سحر آفریں تو کب نہ تھا

تجھکو شک الفت میں اپنے ہمکو وہم ربطِ غیر
بدگماں ہم کب نہ تھے اور بے یقیں تو کب نہ تھا

ناشکیبا مضطربِ شوقِ ستم ہم کب نہ تھے
بے مروت بیوفا مصروفِ کیں تو کب نہ تھا

تیری ان باتوں پہ ہم طعنے اٹھاتے کب نہ تھے
ای ستمگر شیفتہ کا ہمنشیں تو کب نہ تھا

26

میں وصل میں بھی شیفتہ حسرت طلب رہا
گستاخیوں میں بھی مجھے پاسِ ادب رہا

تغیرِ وضع کی ہے اشارہ وداع کا
یعنی جفا پہ خوگرِ الطاف کب رہا

میں رشک سے چلا تو کہا بے سبب چلا
اس پر جو رہ گیا تو کہا بے سبب رہا

دم بھر بھی غیر پر نگہِ لطف کیوں ہی آپ
اک عمر میں ستم کشِ چشمِ غضب رہا

تھا شیفتہ تو آہ میں بھی اثر جذب دلیں بھی
کیونکر نہ آئے شیفتہ مجھکو عجب رہا

۲۷

بسکہ آغاز محبت میں ہوا کام اپنا — پوچھتے ہیں ملک الموت سے انجام اپنا

عمر کٹتی ہی تصور میں سحر و کاکل کے — رات دن اور ہی لے گردش ایام اپنا

وہاں یہ قدغن کہ نہ آہ و ازفغاں بھی پہنچے — یہاں یہ شورش کہ گذارا ہو لب بام اپنا

اُن سے نازک کو کہاں گرمی صحبت کی تاب — بس کلیجا نہ پکا اے طمع خام اپنا

تپش دل کے سبب سے ہی مجھے خواہش مرگ — کون ہی جس کو نہ منظور ہو آرام اپنا

بادہ نوشی سے ہماری جو لہو خشک ہوا — خون اغیار سے لبریز ہے کیا جام اپنا

لطف سمجھوں تو بجا جور بھی سمجھوں تو درست — تم نے بھیجا ہی مرے پاس جو ہمنام اپنا

ذکر عشاق سے آتی ہی جو غیرت اسکو — آپ عاشق ہی مگر وہ بت خود کام اپنا

تاب بوسہ کی کسی شیفتہ وہ دیں بھی اگر
کر چکی کام یہاں لذت دشنام اپنا

۲۸

جی داغ غم رشک سے جل جائے تو اچھا — ارمان عدو کا بھی نکل جائے تو اچھا

پروانہ بنا ہے مرے جلانے کو وہ قادر — محفل میں کوئی شمع بدل جائے تو اچھا

کس چین سے نظارہ وہ ہر دم ہے ستمگر — دل کچھ وہ دشمن میں بہل جائے تو اچھا

تم عیز کے قابو سے نکل آؤ تو بہتر | حسرت یہ میرے دل کی نکل جائے تو اچھا

سودا زدہ کہتے ہیں ہوا شیفتہ افسوس
تھا دوست ہمارا ابھی سنبھل جائے تو اچھا

۲۹

پلا جام ساقی مے ناب کا | کہ کچھ حظ اُٹھے سیر مہتاب کا
دل زار کا ماجرا کیا کہوں | فسانہ ہے مشہور سیماب کا
کہاں پھر وہ نایاب پایا جسے | غلط شوق ہے جنس نایاب کا
نکلجو غل اسے خوشنوایان صبح | یہ ہے وقت اُنکے شکر خواب کا
محبت نہ ہرگز جتائی گئی | رہا ذکر کل اور ہر باب کا
دم سرد سے لانہ طوفان باد | نہ سن ماجرا چشم پر آب کا
وہاں بیخودونکی خبر کون لے | جہاں شغل ہو بادۂ ناب کا
وہاں تیرہ روزونکی پروا کسے | جہاں شوق ہو سیر مہتاب کا
وہ تشخیص شخصی بھی جاتی رہی | کنارا اُلٹتے ہی جلباب کا
ہیں نلے جرم رہنا ہوں خائف کہ واں | جفا ہیں تہیں دخل اسباب کا
پڑے صبر آرام کی جان پہ | مری جان بنے صبر بیتاب کا
لب لعل کو کس کے جنبش ہوئی | ہوا ہیں ہے کچھ رنگ عناب کا

نہ کرنا خدایا پہ نظر شیفتہ
کہ اغماض شیوہ ہے احباب کا

تقلید عدو سے ہمیں ابرام نہ ہوگا — ہم خاص نہیں اور کرم عام نہ ہوگا

صیاد کا دل اس سے پگھلنا متعذر — جو نالہ کہ آتش فگن دام نہ ہوگا

جس سے ہے مجھے ربط وہ ہے کون کہاں ہے — الزام کے دینے سے تو الزام نہ ہوگا

بیداد وہ اور اس پہ وفا یہ کوئی مجھ سا — مجبور ہوا ہے دل خود کام نہ ہوگا

وہ غیر کے گھر نغمہ سرا ہونگے مگر کب — جب ہم سے کوئی نالہ سرانجام نہ ہوگا

ہم طالب شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام — بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

قاصد کو کیا قتل کبوتر کو کیا ذبح — لیجائے مرا اب کوئی پیغام نہ ہوگا

جب پردہ اٹھا تب ہے عدو دوست کہاں تک — آزار عدو سے مجھے آرام نہ ہوگا

یہاں جیتے ہیں امید شب وصل پہ اور واں — ہر صبح توقع ہے کہ تا شام نہ ہوگا

قاصد سے عبث منتظر وقت کہاں شوق — کس وقت انھیں شغل مئے و جام نہ ہوگا

دشمن پس دشنام بھی ہے طالب بوسہ — محو اثر لذت دشنام نہ ہوگا

رخصت بس اب اے نالہ کہ یہاں ٹھہر چکی ہے — نالہ نہیں جو آفت اجرام نہ ہوگا

برق آئینہ فرصت گلزار ہے اس پر — آئینہ نہ دیکھے کوئی گلفام نہ ہوگا

اے اہلِ نظر ذرہ میں پوشیدہ ہی خورشید
ایضاح سے حاصل بجز ابہام نہوگا

اس نازو تغافل میں ہی قاصد کی خرابی
بیچارہ کبھی لائقِ انعام نہوگا

اُس بزم کے چلنے میں ہو تم کیوں متردد
کیا شیفتہ کچھ آپ کا اکرام نہوگا

31

دیکھوں تو کہاں تک وہ تلطف نہیں کرتا
آرے سے اگر چیرے تو میں اُف نہیں کرتا

تم دیتے ہو تکلیف مجھے ہوتی ہی راحت
سچ جانیے ہیں اسمیں تکلف نہیں کرتا

سب باتیں اُنھیں کی ہیں سچ سچ بولیو قاصد
کچھ اپنی طرف سے تو تصرف نہیں کرتا

سو خوف کی ہو جائے مگر رند نظر باز
دل جلوہ گہہ لا تشف و شف نہیں کرتا

شوخی سے کسی طرح سے چین اُسکو نہیں ہی
آتا ہی مگر آکے توقف نہیں کرتا

اُس شوخ ستمگر سے پڑا ہی مجھے پالا
جو قتل کئے پر بھی تاسف نہیں کرتا

جو کچھ ہی انا میں وہ ٹپکتا ہے انا سے
کچھ آپ سے میں ذکر تصوف نہیں کرتا

تسکین ہو کیا وعدہ سے معشوق ہو آخر
ہر چند سُنا ہی کہ تخلف نہیں کرتا

کیا حال تمھارا ہی ہمیں بھی تو بتا دو
بے وجہ کوئی شیفتہ اُف اُف نہیں کرتا

32

ایسی خوار ہیں ہمیں مسکن بنا دیا
دشمن کو اور دوست نے دشمن بنا دیا

مشاطہ نے مگر عملِ سیمیا کیا
گل برگ کو جو غنچۂ سوسن بنا دیا

دامن تک اس کے ہائے نہ پہنچا کبھی وہ ہاتھ
جس ہاتھ نے کہ جیب کو دامن بنا دیا

دیکھا نہ ہوگا خواب میں بھی یہ فروغِ حسن
پردے کو اس کے جلوے نے چلمن بنا دیا

تم لوگ بھی غضب ہو کہ دل پر یہ اختیار
شب موم کر لیا سحر آہن بنا دیا

پروانہ ہے خموش کہ حکمِ سخن نہیں
بلبل ہے نغمہ گر کہ نوازن بنا دیا

صحرا بنا رہا ہے وہ افسوس شہر کو
صحرا کو جسکے جلوہ نے گلشن بنا دیا

مشاطہ کا قصور سہی سب بناؤ میں
اس نے ہی کیا نگہ کو بھی پرفن بنا دیا

اظہارِ عشق اس سے نہ کرنا تھا شیفتہ
یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا

33

کیا لائقِ زکوٰۃ کوئی بے نوا نہ تھا
انفاسِ یاد میں نفسِ آشنا نہ تھا

اس قوم کی سرشت میں ہی کم محبتی
شکوہ جو اس سے تھا مجھے ہرگز بجا نہ تھا

تاثیرِ نالہ نکتۂ بعد الوقوع ہے
یہاں غیر رسم اور کوئی مدعا نہ تھا

وحشت تھی مجھکو پہلے بھی پر یہ تپش نہ تھی
شورش تھی مجھکو پہلے بھی پر یہ مزا نہ تھا

انکی نگاہِ ناز عجب تازیانہ تھی
مقدور پھر ادھر نظرِ شوق کا نہ تھا

افسوس وہ مظاہرِ کونی میں پھنس گیا
جو عالمِ عقول سے نا آشنا نہ تھا

شرماتے اسقدر ہے کیوں آپ اب کو
مدت ہیں گو ملے تھے مگر یوں نیا نہ تھا

بے پردہ اُنکے آنے سے حیرت ہوئی مجھے
وصل عدو کی رات تھی روز جزا نہ تھا

نان و نمک کی بھی ہمیں توفیق شیفتہ
ساز و نوا کے واسطے برگ و نوا نہ تھا

34

کل نغمہ گر جو مطرب جادو ترانہ تھا
ہوش و حواس و عقل و خرد کا پتا نہ تھا

یہ بت کہ جائے شیب ہی جب تھا نقاب میں
عہد شباب اور بتوں کا زمانہ تھا

معلوم ہی ستاتے ہو ہر ایک بہانہ سے
قصد اُنہ آئے رات حنا کا بہانہ تھا

حسرت سے اُسکے کوچہ کو کیونکر نہ دیکھئے
اپنا بھی اس چمن میں کبھی آشیانہ تھا

کیا میکدوں میں ہے کہ مدارس میں وہ نہیں
البتہ ایک والہ دل نے مدعا نہ تھا

ساقی کی سنئے مدد نہ بنی بات رات کو
مطرب اگرچہ کام میں اپنے یگانہ تھا

کچھ آج اُنکی بزم میں بیٹھے ہیں بند و بست
آلودہ مے سے دامن باد صبا نہ تھا

دشمن کے فعل کی تحقیق توجیہ کیا ضرور
تم سے فقط مجھے گلۂ دوستانہ تھا

کل شیفتہ سحر کو عجب حال خوش میں تھے
آنکھوں میں نشہ اور لبوں پر ترانہ تھا

تھا غیر کا جو رنج جدائی تمام شب
نیند اُنکو میرے ساتھ نہ آئی تمام شب

شکوہ مجھے نہ ہو جو مکافات حد سے ہو / وہاں صلح ایک دم ہے لڑائی تمام شب

یہ ڈر رہا کہ سوتے نہ پائیں کہیں مجھے / وعدے کی رات نیند نہ آئی تمام شب

سچ تو یہ ہی کہ بول گئے اکثر اہلِ شوق / بلبل نے کی جو نالہ سرائی تمام شب

دم بھر بھی عمر کھوئی جو ذکرِ رقیب میں / کیفیتِ وصال نہ پائی تمام شب

تھوڑا سا میرے حال پہ فرما کر التفات / کرتے رہے وہ اپنی بڑائی تمام شب

وہ آہ تار و پود ہو جسکا ہوائے زلف / کرتی ہی عنبری وصبائی تمام شب

وہ صبح جلوہ جلوہ گر باغ تھا جو رات / مرغِ سحر نے دھوم مچائی تمام شب

افسانے سے بگاڑ ہے ان بن ہی خواب سے / ہی فکرِ وصل و ذکرِ جدائی تمام شب

جس کے شمیم زلف پہ ہیں غش ہوں شگفتہ
اُس نے شمیم زلف سنگھائی تمام شب

یوں بزمِ گلرخاں میں ہی اس دل کو اضطراب / جیسے بہار میں ہو عنادل کو اضطراب

نیرنگ حسن و عشق کے کیا کیا ظہور ہیں / بسمل کو اضطراب ہی قاتل کو اضطراب

آجائے ہمنشیں وہ پریوش تو کیا نہ ہو / دیوانہ وار ناصحِ عاقل کو اضطراب

سیماب وار سارے بدن کو ہی یہاں طپش / تسکین ہو سکے جو ہو اک دل کو اضطراب

وہ باادب شہید ہوں میرا جو نام لے / قاتل تو پھر نہ ہو کسی بسمل کو اضطراب

افسوس یاد آہ سے ہل بھی نہ جائے اور
یوں ہو ہولے سے پردۂ محمل کو اضطراب
مین جاں بلب ہوں اور خبرِ وصل جان طلب
کیا کیا نہیں دہندۂ وسائل کو اضطراب

لکھا ہی خط میں حالِ دلِ بیقرار کا
ہو گا ضرور شیفتہ حامل کو اضطراب

کیا اُٹھ گیا ہی دیدۂ اغیار سے حجاب
ٹپکا پڑے ہی کیوں نگۂ یار سے حجاب
لاؤ نعم نہیں جو تمنائے وصل پر
انکار سے حجاب ہی اقرار سے حجاب
تقلید شکل چاہیے سیرت میں بھی تجھے
کب تک رہے مجھے ترے اطوار سے حجاب
دشنام دین عوض بوسہ میں ابرام ہم کریں
طبع غیور کو ہے پر اصرار سے حجاب
رندی میں بھی گئی نہ یہ مستوری و صلاح
آتا ہی مجھکو محرم اسرار سے حجاب
وہ طعنہ زن ہی زندگی ہجر پر عبث
آتا ہی مجھکو حسرتِ دیدار سے حجاب
جوشِ نگاہ دیدۂ حیراں کو کیا کہوں
ظاہر ہے روئے آئینہ رخسار سے حجاب

روز و شبِ وصال مبارک ہو شیفتہ
جورِ فلک کو ہی ستمِ یار سے حجاب

دشمن سے ہی مرے دلِ مضطر کی شکایت
کیونکر نہ کروں شوخیٔ دلبر کی شکایت
دیوانۂ الفت ادب آموز خرد ہے
سودے میں نہیں زلفِ معنبر کی شکایت

تاثیر نہ کر قتل شہیدانِ وفا میں
ہر ایک کو ہی تیزیٔ خنجر کی شکایت

تاثیر ہو کیا اُن لب و دنداں کا ہوں ہمسایہ
نے لعل کا شکوہ ہی نہ گوہر کی شکایت

کیوں بوالہوسوں سے دلِ عاشق کا گلہ ہے
غیروں سے بھی کرتا ہی کوئی گھر کی شکایت

اب ظلم سرشتوں کی نگہ سے ہوں مقابل
ہوتی تھی کبھی کاوشِ نشتر کی شکایت

یہاں کانٹوں پہ بھی لوٹنے میں چین نہیں ہے
واں غیر سے ہی پھولوں کے بستر کی شکایت

تعلیم بد آموز کو ہم کرتے ہیں یعنی
ہی شکرِ وفا جو ہے ستمگر کی شکایت

نے پردہ وہ آئیں گے تو کیسے مجھے ہوگی
ای شیفتہ ہنگامۂ محشر کی شکایت

۳۹

اُس وفا کی مجھ سے پھر امیدواری ہی عبث
دلفریبی کی لگاوٹ یہ تمھاری ہی عبث

دشمنی کو جو کہ احساں جانتا ہو ناز سے
اُس ستم ایجاد سے امید یاری ہی عبث

غمزہ ہائے دوست بعد از مرگ بھی نظروں میں ہیں
وہم راحت سے عدو کو بیقراری ہی عبث

سحر میں کب پھل لگا تاثیر کیا ہو آہ میں
چشمِ تر کی صورتِ ابر اشکباری ہی عبث

ہم نے غافل پا کے تجھکو اور کو دل دیدیا
ای ستمگر اب تری غفلت شعاری ہی عبث

ہجر میں چرخ و اجل نے گر نہ کی یاری تو کیا
دشمنوں سے شیفتہ امیدواری ہی عبث

۴۰

نہ کر فاش رازِ گلستاں عبث ‌‌ ‌ نہ ہو بلبلِ زار نالاں عبث
کفایت تھی مجھ کو تو چینِ جبیں ‌‌ ‌ کیا قتل کا اور ساماں عبث
مقدم ہے ترکِ عدو کی قسم ‌‌ ‌ وگرنہ یہ سب عہد و پیماں عبث
جو آیا ہے وادی میں تو صبر کر ‌‌ ‌ شکایاتِ خارِ مغیلاں عبث
تکبر گدائے خرابات سے ‌‌ ‌ مدارائے خواجہ کھو جان و ایماں عبث
وہاں صوتِ مینا و آوازِ ساز ‌‌ ‌ خوش آہنگیِ مرغِ شب خواں عبث
وہاں دس بجے دن کو ہوتی ہے صبح ‌‌ ‌ سحر خیزیِ عندلیباں عبث
دمِ خضر ہے چشمۂ زندگی ‌‌ ‌ سکندر سرِ آبِ حیواں عبث
پری کا وہاں مجھ کو سایہ ہوا ‌‌ ‌ نہیں اشتیاقِ دبستاں عبث
طلبگار راحت ہیں نا درمند ‌‌ ‌ اگر درد ہے فکرِ درماں عبث
یہ نازک مزاجوں کا دستور ہے ‌‌ ‌ خشونت سے اندوہ حرماں عبث
شکایت کو اس نے سنا بھی نہیں ‌‌ ‌ کھلا غیر پر رازِ پنہاں عبث
مرے غم میں گیسوئے مشکیں نہ کھول ‌‌ ‌ نہ ہو خلق کا دشمنِ جاں عبث
محبت جتاتا ہوں ہر طور سے ‌‌ ‌ اثر کی نظر سوئے افغاں عبث
نہ سمجھا کسی نے مجھے کل نہ صبح ‌‌ ‌ ہوا ٹکڑے ٹکڑے گریباں عبث

مجھے یوں بٹھاتے وہ کب بزم میں — اٹھائے رقیبوں نے طوفاں عبث

یہ اندازِ دلکش کہاں شیفتہ
جگر کاویِ مرغِ بستاں عبث

اے شیفتہ نویدِ شبِ غم سحر ہے آج — ہمتاب آفتاب فروغِ قمر ہے آج

آہنگ دلپذیر سے مطرب ہی جاں نواز — آہِ جگر خراش کا ظاہر اثر ہے آج

دل سے کشادہ تر ہو کیونکر فضائے بزم — تنگیِ خانہ حلقۂ بیرونِ در ہے آج

فانوس میں نہ شمع نہ شیشہ میں ہی پری — ساغر میں جس بہار سے مے جلوہ گر ہے آج

پروانوں کا دماغ بھی ہے آسمان پہ — نورِ چراغ میں جو فروغِ قمر ہے آج

ہر سمت جلوہ گر ہیں جوانانِ لالہ رو — گلزار جسکو کہتے ہیں وہ اپنا گھر ہے آج

ساماں وہ کہ آئے نہ چشمِ خیال میں — آ اے رقیب دیکھ کہ پیشِ نظر ہے آج

وہ دن گئے کہ ربطِ سر و سنگ تھا بہم — شکرانہ کے سجود میں اور اپنا سر ہے آج

اسبابِ عیش یہ جو مہیا ہی شیفتہ
کیا پردہ تم سے آنے کی انکی خبر ہی آج

شیفتہ ہجر میں تو نالۂ شبگیر نہ کھینچ — صبح ہونے کی نہیں خجلتِ تاثیر نہ کھینچ

اے ستمگر رگِ جاں میں ہی مری پیوستہ — دم نکل جائیگا سینہ سے مرے تیر نہ کھینچ

تو بھی کوئی کرتا ہے عمل دنیا میں
رنج بیہودہ بس اے عامل تسخیر نہ کھینچ

عشق سے کیا ہی بجھے شکل تری کھنچتی ہے
حسن تقریر کو آہیں دم تقریر نہ کھینچ

ہے یہ سامان صفائی کا عدو سے کیونکر
دست مشاطہ سے یوں زلف گرہ گیر نہ کھینچ

اے ستم پیشہ کچھ امید تلافی تو ہے
دست نازک سے مرے قتل کو شمشیر نہ کھینچ

چارہ گر فکر کر اس میں کہ مقدر بدلے
ورنہ بیہودہ اذیت سے پے تدبیر نہ کھینچ

کون مجرم ہے جو شایان تعزیر نہیں
شوق تعزیر سے تو حسرت تقصیر نہ کھینچ

وجد کو زمزمۂ مرغ سحر کافی ہے
شیفتہ نازِ مغنّی و مزامیر نہ کھینچ

ناصح تپاں ہے شیفتہ زخم جاں کی طرح
کیا دل میں چبھ گئی نگہ جاں ستاں کی طرح

بہتر ہے آپ غیر سے دل کھول کر ملیں
آخر تو یہ بھی مہر ہے امتحاں کی طرح

اس شمع رو کی بزم میں مانع نہ تھا کوئی
ہے بے سبب جو نالہ آتش فشاں کی طرح

کیوں ہر نفس ہے شہد خموشی سے بند لب
بھاتی ہے دل کو تیرے شیریں بیاں کی طرح

لڑنے میں آشتی نہ تغافل میں التفات
یہ جور کی نکالی ہے تم نے کماں کی طرح

خمیازہ بند بند گسل ہے خمار سے
بدمست کر گئی یہ کس ابرو کماں کی طرح

ہر ہر قدم پہ رشک سے جلتی ہے شمع فند

چلتا ہی وہ بھی شیفتہ میری زباں کی طرح ۴۳

دیا ہی بوسہ نہ مجھے جبکہ میں ہوا گستاخ
تمھاری بزم میں افسردہ میں نہ بیٹھونگا
کہاں ہی غیرتِ شوخی کہ جائے غیرت ہی
سفینہ جیسے کہ خدمت سے چل نکلتے ہیں
لبوں سے جان ہی گستاخ ذوقِ بیحد سے
قبول کیوں نہوئی خواہشِ ہم آغوشی

غلط ہی بات کہ کم رزق ہی گدا گستاخ
نسیم باغ میں چالاک ہی صبا گستاخ
نگاہِ یار سے ہر وقت ہی حیا گستاخ
غرورِ مہر و وفا نے مجھے کیا گستاخ
زبان بوسہ نہ مجھے تو نے کیوں کہا گستاخ
کہ آشناؤں سے ہوتے ہیں آشنا گستاخ

عنانِ ضبط کوئی شیفتہ سے تھمتی ہی
کہ ہر کرشمہ ہی چالاک وہر ادا گستاخ ۴۴

روزِ غم میں کیا قیامت ہی شبِ عشرت کی یاد
میری حالت دیکھ تو تغییر کتنے ہو چکی
میں ہوں بیکس اور بیکس پر ترحم ہے ضرور
طاقتِ جنبش نہیں اس حال پر قصدِ عدم
غالباً ایامِ ہجراں بیخودی میں کٹ گئے

اشک خوں سے آگئیں رنگینیاں صحبت کی یاد
وصل کے دن دمبدم کیوں شیشہ ساعت کی یاد
حسن روز افزوں دلا دینا مری حالت کی یاد
مر گئے پر بھی رہے گی اپنی اس ہمت کی یاد
آتی ہی پھر آرزو بھولی ہوئی مدت کی یاد

دل لگانے کا ارادہ پھر ہی شاید شیفتہ ۴۵

ایسی حسرت سے جو ہی گذری ہی تلخئی الفت کی یاد

طلب بوسہ پر اُس لب سے شکر آب لذیذ
تند ہی تلخ ہی لیکن ہی مئ ناب لذیذ

کچھ مزا تو نہ سمجھ خضر اسوۂ عشرت
سب مزاجوں میں نہیں ایک سے اسباب لذیذ

سم کی تاثیر کرے ہجر میں آب حیواں
مئ گلگوں کے سوا وصل میں ہی آب لذیذ

زود رنہا دسہی پر نہیں مقبول فغاں
تا نہ معلوم ہو تلخی سے مئ ناب لذیذ

شیفتہ ذوق سحر اُس لیے کہاں دیکھا ہی
وہ جو کہتا ہی کہ ہی آخر شب خواب لذیذ

وصل کے لطف اُٹھاؤں کیوں کر
تاب اُس جلوے کی لاؤں کیوں کر

گر تجوشی کا کروں شکوہ کہ وہ
کہتے ہیں تجھکو جلاؤں کیوں کر

کیا کروں ہائے میں بیتابئ شوخ
چین سے پاس بٹھاؤں کیوں کر

ہر بن مو سے دھواں اُٹھتا ہے
آتش غم کو چھپاؤں کیوں کر

میرے آنے سے تم اُٹھ جاتے ہو
بزم دشمن میں نہ آؤں کیوں کر

یاد نے جس کی بھلایا سب کچھ
اُس کی میں یاد بھلاؤں کیوں کر

آپ بھایا مجھے رونا اپنا
کہتے ہیں ہائے میں جاؤں کیوں کر

چارۂ عجز سے فرصت ہی نہیں
درد دل اُس کو سناؤں کیوں کر

زندگانی سے خفا ہوں اپنی
پھر کہوت کو سناؤں کیوں کر
اُس کے آتے ہی بھڑک اُٹھی اور
آتشِ دل کو بجھاؤں کیوں کر

شورِ محشر ابھی چونک اُٹھے گا
شیفتہ کو میں جگاؤں کیوں کر

شیفتہ آیا ہوں میں کسکا تماشا دیکھکر
رہ گئے حیران مجھکو سب خود آرا دیکھکر
شوق خوباں اُڑ گیا حوروں کا جلوہ دیکھکر
ہیچ دُنیا مٹ گیا آرام عقبیٰ دیکھکر
ہی وہ آتش جلوہ اشک افشاں ہمارے شور سے
شمع رو دیتی ہی پروانہ کو جلتا دیکھکر
خیر جو گذری سو گذری پر یہی اچھا ہوا
خط دیا تھا نامہ بر نے اُسکو تنہا دیکھکر
سائلِ ہیرم کی پھبتی مجھ پہ فرمانے لگے
آرزوئے شوق کا گرم تقاضا دیکھکر
ہی وہاں سستی طلب میں جان بیجان جاری نہیں
کام کرتے ہیں مزاجِ کار فرما دیکھکر
ہاں تو وہ تو سخت لیکن کونسا ہی سخت تہ
اپنے دلکو دیکھیے میرا کلیجا دیکھکر
گاؤں بھی ہمکو غنیمت ہی کہ آبادی تو ہی
آ رہے ہیں ہم سخت پر آشوب صحرا دیکھکر
اب کسے لاؤں گواہی کے لیے روزِ جزا
میرے دشمن ہو گئے اُس کو اکیلا دیکھکر
میں کمینِ توبہ میں ہوں آپ لیکن کیا کروں
منہ میں بھر آتا ہی پانی جام و مینا دیکھکر
التماسِ وصل پر بگڑی تھی بیڈھب رات کو
کچھ نہ بن آئی لگا جوشِ تمنا دیکھکر

دوستی کرتے ہیں ارباب غرض ہر کسے
ہیں عاشق ہیں عدو اب ربط اس کا دیکھکر

بے نقط مجھکو سناؤگے جو دیکھوگے ستم
آپ عاشق تو ہوئے ہیں شوق میرا دیکھکر

پھر کہوگے اس کو دل تو فدای ارباب دل
جو ہوئے بیتاب و مضطر روئے زیبا دیکھکر

یار پہلو میں نہیں می جام و مینا ہیں نہیں
تم ہوئے حیران مجھکو ناشکیبا دیکھکر

ناگہاں باد موافق شیفتہ چلنے لگی
جان پر کل بن رہی تھی شور دریا دیکھکر

تھا قصد بوسہ نشہ میں سرشار دیکھکر
غش آگیا مجھے انھیں ہشیار دیکھکر

کچھ بیم قتل سے نہیں آنکھوں میں اشک سرخ
کھاتا ہی جوش خوں تری تلوار دیکھکر

جانتے ہیں اور منع کی طاقت نہیں مگر
سمجھا ہیں آپ وہ مجھے ناچار دیکھکر

پردہ کسی کا یاد نہ لے پردگی ہی یاد
غش ہوگیا میں کعبہ کی استار دیکھکر

سرخیل عاشقاں مجھے کہتے ہیں بوالہوس
عاشق کا اس کو مائل آزار دیکھکر

آتی ہیں یاد کاکل و دل کی حکایتیں
روتا ہوں دام و مرغ گرفتار دیکھکر

کیا بن گیا ہوں صورت دیوار دیکھنا
صورت کسی کی ہیں پس دیوار دیکھکر

رحم ایسی سادگی پہ ستمگر ضرور ہے
عاشق ہوے ہیں ہم تجھے پرکار دیکھکر

کم رغبتی سے لیتے ہیں دل ہوشیار ہیں
بڑھتا ہی ہوس شوق خریدار دیکھکر

کہتا تھا وقت مرگ کے ہر اک سے شیفتہ
دینا کسیکو دل تو وفادار دیکھکر

۶۹

یوں پاس بوالہوس ہیں جشم غضب سے دور
یہ بات ہی بری دلِ عاشق طلب سے دور

دیوانہ میں نہیں کہ انا لیلی لب پہ آئے
باتیں خلاف وضع ہیں اہل ادب سے دور

مجھکو سنا کے کہتے ہیں ہمدم سے یاد ہی
اک آدمی کو چاہتے تھے ہم بھی اب سے دور

جو لطف میں بھی پاس پھٹکنے نہ دے کبھی
رکھیو الٰہی ایسے کے مجھکو غضب سے دور

کیونکر میں انجمن میں تمھاری شریک ہوں
ارباب رنج رہتے ہیں اہل طرب سے دور

ہم سے اُسسے معاملہ تھا جان و جسم کا
ہرگز ملا نہ گاہ ہوا ہائے جب سے دور

تو بھی جو میرے پاس نہ آئے تو کیا کروں
تیرے ہی پاس سے تو میں رہتا ہوں سب سے دور

میں غیر بوالہوس نہیں ڈرتے ہو کس لیے
مجھسے نہ رکھو بوسہ میں تم لب کو لب سے دور

بوس و کنار کی نہ کرونگا ہوس کبھی
یہ خواہشیں ہیں عاشقِ حسرت طلب سے دور

آغاز عمر ہی میں ہی ہمکو خیالِ حج
تلّی جو شیفتہ ہی دیار عرب سے دور

۷۰

ہم بے نشان اور وفا کا نشاں ہنوز
ہی خاک تن ہوا و ہوا خوں فشاں ہنوز

بیت الحزن میں نغمۂ شادی بلند ہے
نکلا ہی باب مصر سے ہی کارواں ہنوز

صبح شب وصال نئی صبح ہے مگر
پردیں ہے تو بلا گردِ کہکشاں ہنوز

ہرگز ابھی شکایتِ دشمن نہ چاہیے
ہم پر بھی یار خوب نہیں مہرباں ہنوز

کیونکر کہیں کہ چھوٹ گئے ہم بند جسم سے
اُس زلف پیچ پیچ میں اُلجھی ہے جاں ہنوز

جو بات میکدہ میں ہے ایک ایک زباں پہ
افسوس مدرسہ میں ہے بالکل نہاں ہنوز

ضبط و شکیب یہاں ہے نقابِ جمالِ شوق
بیوجہ وہاں نہیں ہے سرِ امتحاں ہنوز

مدت ہوئی بہارِ جہاں دیکھتے ہوئے
دیکھا نہیں کسی نے گلِ بے خزاں ہنوز

اکثر ہوا ہے مجھکو سفر در وطن مگر
لایا نہ دوستوں کے لیے ارمغاں ہنوز

اک شب ہوا تھا جلوہ نما چرخ پہ وہ ماہ
مدہوش ہیں ملائکہ آسماں ہنوز

نا آشنا ہے جب سے آشنا ابھی
نا آشنا ہے لب سے ہماری فغاں ہنوز

آشفتہ زلف چاک قبا نیم باز چشم
ہیں صحبتِ شبانہ کی ظاہر نشاں ہنوز

اے موجِ نسیم ذرا اور ٹھہر جا
ہے خاک پر ہمارے وہ دامن فشاں ہنوز

میخانہ میں تمام جوانی بسر ہوئی
لیکن ملا نہ منصبِ پیرِ مغاں ہنوز

اسکے نیاز پہ بہت تھوڑی ہی تکلیف اور بھی
کچھ رہ گئے ہیں خار و خسِ آشیاں ہنوز

آتا ہوں میں وہیں سے ذرا صبر شیفتہ
سوئے نہ تھے کہ ابھی ہیں پاسباں ہنوز

ہند کی وہ زمیں ہے عشرت خیز
کہ نہ زاہد جہاں کریں پرہیز

وجد کرتے ہیں پی کے مے صوفی
مست سوتے ہیں صبح تک شب خیز

رند کیا یاں تو شاہد و مے سے
پارسا کو نہیں گزیر و گریز

سخت مشکل ہے ایسی عشرت میں
خطرِ عشر و بیم رستا خیز

ہے غریبوں کو جرأت فرہاد
ہے فقیروں کو عشرتِ پرویز

عیش نے یہاں بٹھا دیا ناقہ
غم نے کی یہاں سے رخش کو مہمیز

کوئی یہاں غم کو جانتا بھی نہیں
جز غم عشق سو ہے عیش آمیز

بادِ صرصر یہاں نسیم چمن
نارِ عنصر ہے آتش گل تیز

بوستاں کی طرح یہاں صحرا
دل کش دلپذیر دل آویز

کوئی پامال جور چرخ نہیں
کتنی ہے یہ زمین راحت خیز

اثر زہرہ اُس میں یہاں پایا
وہ جو مریخ ہے بڑا خونریز

شیفتہ بقام لو عنانِ قلم
یہ زمیں گرچہ ہے ہوس انگیز

دور رہنا ہے کب تک اور بیگانے کے پاس
ہیں قریب مرگ کیا اب بھی نہیں آنے کے پاس

جلوہ آرا بسکہ تھا وہ شمع بیمارات کو
ہم بھی مر کر رہ گئے مجلس میں پروانے کے پاس

آفریں طغیان وحشت مرحبا جوش جنوں
غیر سے کہوائیں یا وہ سے سمجھوائیں گے ہم

وہ یہ کہتے ہیں کہ کیونکر جائیں دیوانے کے پاس
دیکھ لیں گے پھر کہ تم کیونکر نہیں آنے کے پاس

شیفتہ نے قصۂ مجنوں سنایا رات کو
آگیا میرا اُنھیں سنتے ہی افسانے کے پاس

53

اُٹھے نہ چھوڑ کے ہم آستان بادہ فروش
طلسم ہوش ربا ہی دکان بادہ فروش

کھلا جو پردہ روئے حقایق اشیا
کھلی حقیقت راز نہان بادہ فروش

فسردہ طینئ و کاہلی سے ہم نے کبھی
شباب میں بھی نہ دیکھی دکان بادہ فروش

یقین ہی کہ تو نایاب مفت ہاتھ آئے
یہ جی میں ہی کہ ہوں مہمان بادہ فروش

قدح سے دل ہی مرا اور مے سے عشق غرض
میں وہ نہیں کہ نہ سمجھوں زبان بادہ فروش

عجب نہیں کہ کسی روز وہ بھی آنکلیں
کہ ہی گذرگۂ خلق آستان بادہ فروش

مے وسرود کے اسرار آپ آکر دیکھ
نہ پوچھ مجھ سے کہ ہوں رازدان بادہ فروش

شراب دیکھ کہ کس رنگ کی پلاتا ہے
جز اس کے اور نہیں امتحان بادہ فروش

تری شمیم نے گلزار کو کیا برباد
تری نگاہ نے کھولی دکان بادہ فروش

عبث ہی شیفتہ اک سے پوچھتے پھرنا
ملیگا بادہ کشوں سے نشان بادہ فروش

54

اُن کو دشمن سے ہی محبت خاص
یہ ہمارا ہے ثمرۂ اخلاص

وجد میں لائے اہل درد ہمیں
باد کے ساتھ خاک ہی رقاص

دل کے ٹکڑے اڑا نہیں ہے گناہ
نفس کو قتل کر نہیں ہی قصاص

حسن باطن ز بو نی ظاہر
ہے مئے ناب اور جام رصاص

کیا مزا تم سے آشنائی کا
ماشد بتم مداہنۃ الاخلاص

ہجر زہر اور وصل ہے تریاق
زہر و تریاق کا جدا ہی خواص

قسمت اُس کی خبر نہ ہو جسکو
عام اس دور میں ہی بادۂ خاص

دام سے تیرے موسم گل میں
بلبلوں کو نہیں ہوا ہے خلاص

شیفتہ نے ہمارے داد نہ دی
سچ ہے القاص لایحب القاص

55

ہی دلکو یوں ترے دمِ اعجاز اثر سے فیض
غنچہ کو جیسے موجۂ بادِ سحر سے فیض

عشاق سے نگاہ نہ رکھو دریغ تم
پاتے ہیں لوگ خدمتِ اہل نظر سے فیض

ہی عالم کبیر میں بھی یوں ہی جس طرح
دل سے جگر کو فیض ہی دلکو جگر سے فیض

آزردۂ جفا ہے دمی و تیر کو نہیں
یک ذرہ آب و آتش لعل و گہر سے فیض

اپنے نہاد میں نہیں احساں فراموشی
پایا ہی ہم نے صاعقہ کا ابر تر سے فیض

بند کسب کر کہ عشرتِ خسرو نصیب ہو — فرہاد کو سُنا ہی ہوا جو ہنر سے فیض

لگتے ہیں اُس کے سینہ و بر سے مدام ہم — ہوتا ہی ہمکو وزمہ سیمبر سے فیض

ارباب خانقاہ ہیں محتاج اغنیا — کافی ہی ہمکو پیرِ مغاں تیرے در سے فیض

بلبل ہمارے گھر وہ خود آتے ہیں رحم سے — افزوں ہی نالے پری ہیں ہما بال و پر سے فیض

خرم نہاد ہیکش و زاہد شگفتہ دل — ہے شیفتہ ہر ایک کو وقتِ سحر سے فیض

لازم ہے بیوفا تجھے اہلِ وفا سے ربط — کیسا ہی دیکھ عکس ادا کو ادا سے ربط

یہ ناخن و خراش ہیں بگڑی کہ کیا کہوں — اک دم ہوا جو عقدۂ بندِ قبا سے ربط

ناصح مری ملامتِ بیجا ہے فائدہ — بے اختیار دلکو ہی اُس دلربا سے ربط

اُس سرد مہر کو ہو اثر پر جو ہو سکے — کام و دہاں کو ہے دمِ شعلہ نوا سے ربط

کیجے گر اُن سے شکوۂ انجام کارِ عشق — کہتے ہیں مجھکو تم سے نہ تھا ابتدا سے ربط

دو دن میں تنگ ہو گئے جورِ سپہر سے — اس حوصلہ پہ کرتے تھے اُسکی جفا سے ربط

کیا تجھے بدگمانیٔ ابرو کا دھیان ہے — کرتے وگرنہ ہجر میں تیغِ قضا سے ربط

تیرے ستم سے ہی یہ دعا لب پہ دمبدم — یارب نہو کسی کو کسی بیوفا سے ربط

صبحِ شبِ فراق کا کیا لطف مر گئے — کیا دیر میں ہوا ہمیں دو آشنا سے ربط

فریاد نزع کان تک اُس کے نہ جا سکے
تھا شیفتہ ہمیں نفسِ نارسا سے ربط
57

ترے فسوں کی نہیں ہیں مرے دل میں جا واعظ
صنم پرستی نہ ہو بندۂ ریا واعظ

کسی صنم نے مگر آپ کو جلایا ہے
نہیں تو حور کی کیوں اسقدر تمنا واعظ

تمہارے حسن جہاں سوز میں جلتا ہوں
کہ ہیں رقیب مرے شیخ و پارسا واعظ

ملا کے دیکھیں کہ ہی خوب کون دونوں میں
ہم اُس کو لاتے ہیں تو حور کو بلا واعظ

ترے فسونِ اثر پر ہے بسا ترسی
فغاں نے لے اثر و آہ نارسا واعظ

لگی تھی حالتِ رندی میں اُسکو کیا یارو
کوئی یہ پوچھے کہ کیوں شیفتہ بنا واعظ
58

خورشید کو اگرچہ نہ پہنچی ضیائے شمع
پروانہ کو پسند نہیں پر سوائے شمع

اس تیرہ روزگار میں مجھسا جگر گداز
مشعل جلاکے ڈھونڈھے اگر تو نہ پائے شمع

روزِ فراق میں ہی قیامت جمالِ گل
شب ہائے ہجر میں ہی مصیبت لقائے شمع

پرالے کیا خجل ہوئے دیکھا جو صبح کو
تھا شب کو اُسکی بزم میں خورشید جائے شمع

اُس رشکِ شمع و گل کی ہی کچھ آب و تاب اور
دیکھے ہیں جلوہ ہائے گل و شعلہ ہائے شمع

دیتی ہی اور گرمی پروانہ داغِ رشک
شب ہائے ہجر میں کوئی کیونکر جلائے شمع

کیا حاجت آفتاب کے گھر میں چراغ کی / ہے حکم شب کو بزم میں کوئی نہ لائے شمع

اُس لعل بے بہا سے کہاں تابِ ہمسری / روشن ہے سب پہ قیمتِ گل اور بہائے شمع

خورشید جبیں کے جلوہ سے ہو شمع صبح دم / کیا ٹھہرے اُسکے سامنے نور و ضیائے شمع

اس تیرہ شب میں جائیں گے کیونکر عدو کے گھر / میرا رقیب وہ ہے جو اُنکو دکھائے شمع

آتے ہیں وہ جو گور پہ میری تو بہرِ زیب / کوئی نہ لائے پھول نہ کوئی منگائے شمع

گل پہ لگا کے آپ سے پہنچیں گے بے طلب / آئیگی اپنے پاؤں سے یہاں بن بلائے شمع

ڈر ہے اُٹھا نہ دے کہیں وہ بزم عیش سے
کیا تاب ہے کہ شیفتہ آنسو بہائے شمع

کیا غیر تھا کہ شب کو نہ تھا جلوہ گر چراغ / رہتا ہے ورنہ گھر میں ترے تا سحر چراغ

کیا لطف آہ صبح شبِ ہجر مہر وش / کیا فائدہ جو کیجئے روشن سحر چراغ

پروانہ گر نہ جائے تو بیجا ہے لاف عشق / روشن ہے میرے نالوں سے افلاک پہ چراغ

حد با کرے طریقۂ پروانہ اختیار / اُس تابِ رُخ سے کیجئے روشن اگر چراغ

پروانہ ہو گیا ہے رقیبِ کتاں کہ ہے / اُس مہر وش کے جلوے کے آگے قمر چراغ

گستاخیوں کی تاب کسی اُس کی بزم میں / بیباکی نسیم سے ہرگز نہ ڈر چراغ

ہر شمع انجمن وہ مہ آتشیں عذار / گھی کے جلیں گے آج تو دشمن کے گھر چراغ

کرتا ہوں فکر شعر جو میں شب کو شیفتہ
رہتا ہے خواب گہ میں ہی رات بھر چراغ

وہاں ہوا پردہ اُٹھانا موقوف
یہاں ہوا راز چھپانا موقوف

غیر کو رشک سے کیا آگ لگی
کہ ہوا میرا جلانا موقوف

ذکر شیریں کی اگر بندی ہے
کوہکن کا بھی فسانا موقوف

اب کس امید پہ وہاں جائے کوئی
کہ ہوا غیر کا آنا موقوف

رم آہو سے وہ رم یاد آیا
دشت و صحرا میں بھی جانا موقوف

بد دماغ آج ہوا وہ گل رو
شیفتہ عطر لگانا موقوف

پابندیٔ وحشت میں ہیں ہیں نہ زنجیر کے مشتاق
دیوانے ہیں اُس زلف گرہ گیر کے مشتاق

بیرحم نہیں جرم وفا قابلِ بخشش
محروم ہیں کس واسطے تعذیر کے مشتاق

رہتے تھے ہم جس سے مثالِ ورق وحشت
اب اُنکی رہا کرتے ہیں تحریر کے مشتاق

لکھتا ہوں جو میں آرزوئے قتل میں نامے
ہیں میرے کبوتر بھی ترے تیر کے مشتاق

کیوں قتل میں عشاق کے اتنا ہے تغافل
مر جائیں گے ظالم دمِ شمشیر کے مشتاق

اے آہ ذرا شرم کہ وہ کہتے ہیں اکثر
مدت سے ہیں ہم آہ کی تاثیر کے مشتاق

سیماب تھا دل جلکے سو اب خاک ہوا ہی — لیجائیں مری خاک کو اکسیر کے مشتاق
کیا ہجر کے دن آتے ہیں ہی عذر نہیں تو — ہم ہیں ملک الموت کی تقریر کے مشتاق

دل سرد ہوا سن کے ترے نالۂ موزوں
تھے شیفتہ ہم حسن تاثیر کے مشتاق
62

رہ جائے کیوں نہ ہجر میں جان آکے لب تلک — ہم آرزوے بوسہ پہ پیغام اب تلک
کہتے ہیں بیوفا مجھے ہیں سنتے جو یہ کہا — مرتے رہیں گے آپ پہ جیتے ہیں جب تلک
تمکین حسن ہے کہ نہ بیتاب ہو سکا — خلوت میں بھی کوئی قلق بے ادب تلک
آجائے کاش موت ہی تسکین ہو نہ ہو — ہر وقت بیقرار رہے کوئی کب تلک
وہ چشم التفات کہاں اب جو اس طرف — دیکھیں کہ ہے دریغ نگاہ غضب تلک
ایسے کریم ہم ہیں کہ دیتے ہیں بے طلب — پہنچاؤ یہ پیام اجل جان طلب تلک
مایوس لطف سے نہ کرے دشمنی شعار — اسباب اٹھاتے ہیں ہم جور اب تلک
یہاں عجز نے لیا ہے نہ وہاں ناز دلفریب — شکوہ بجا رہا گلۂ بے سبب تلک

ایسی ہی بیقراری رہی متصل اگر
اے شیفتہ ہم آج نہیں بچتے شب تلک
63

۶۴

طالع خفتۂ دشمن نہ جگا تا شب وصل — دیکھ اے مرغ سحر غل نہ مچانا شب وصل

اُن کو منظور نہیں نیند کا آنا شبِ وصل
اس لیے کہتے ہیں غیروں کا فسانا شبِ وصل

صبر پروانے کا مجھپر نہ پڑے ڈرتا ہوں
ماہرو شمع کو ہرگز نہ جلانا شبِ وصل

خواہش کام دل اتنی نہ کرائی شوق کہ وہ
ڈھونڈھتے ہیں چلے جانے کو بہانا شبِ وصل

آپ منت سے بلاتے نہ مجھے کیونکر آؤں
غیر کے گھر میں ہی تیرا تو ٹھکانا شبِ وصل

شان میں صحبت ناکس سے خلل آتا ہی
صبح ہجراں کو بس اب منہ نہ لگانا شبِ وصل

تیرگی بخت سیہ سے مری لیجا کہ ضرور
جلوہ اُس مہرلقا کا ہی چھپانا شبِ وصل

روز ہجراں میں اُٹھے جاتے ہو کیوں دنیا سے
شیفتہ اور بھی تم لطف اُٹھانا شبِ وصل

اصحابِ درد کو ہی عجب تیری خیال
مثلِ زبانِ نطق قلم کی زبانِ حال

عہدِ وفا کیا ہے نباہیں گے شک عبث
وعدہ کیا ہی آئینگے بیجا ہے احتمال

کیا کچھ وہاں سے منزلِ مقصود پاس ہی
یا ایہا الذین سکنتم علی الجبال

ناز و غرور ٹھیک ہی جور و جفا دست
کس کے ہو النصیب یہ حسن اور یہ جمال

ساقی پلا وہ بادہ کہ غفلت ہو آگہی
مطرب سنا وہ نغمہ کہ ہو جس سے قال حال

ہم لگے عشق والوں کی تقلید کیوں کریں
ای حوزہ گیر تحن رجال و ہم رجال

اہلِ طریق کی بھی روش سب ہی الگ
جتنا زیادہ شغل زیادہ فراغ بال

ہنگام عہد کام میں لائے وہ ایسے لفظ
جن کو معانی متعدد پر اشتمال
ما و التنہین و انتن فی البیوت
ما و التقلتن و انتن فی الجبال
یہ بات تو غلط ہے کہ دیوان شیفتہ
ہے نسخۂ معارف و مجموعۂ کمال
لیکن مبالغہ تو ہی البتہ اس میں کم
ہاں ذکر خد و خال اگر ہی تو خال خال
یہاں کے آنے میں نہیں اُنکو جو تمکین کا خیال
غالباً کچھ تو ہوا ہی مری تسکیں کا خیال
کفِ افسوس ملے سے بھی پڑے ہاتھ میں نقش
بسکہ ہی دلمیں مرے دستِ نگاریں کا خیال
گو مجھے عاشقِ مفلس وہ کہیں طعنہ سے
تو بھی کیونکر نہ رکھوں ساعدِ سیمیں کا خیال
تعزیت کو مری وہ آئے تو کیا ذلّت ہی
اہلِ ماتم کو نہیں بزم کی تزئین کا خیال
کیوں نہ ہو دست مژہ ماتمیوں کا رنگیں
مرتے دم تھا مجھے اُس پنجۂ رنگیں کا خیال
سخنِ عشق ہی پتھر کی لکیر اے پرویز
دلِ فرہاد سے کیونکر مٹے شیریں کا خیال

کیا مسلمان ہیں ہم شیفتہ سبحان اللہ
دل سے جاتا نہیں وہم بتِ بیدیں کا خیال

بلبل کو بھی نہیں ہی دماغ صدائے گل
بگڑی ہی تیرے دور میں ایسی ہوائے گل
ہنگام عشق جو غیر کو اُس نے سنگھائے گل
جنت میں پھلی مری جاں کو ہوائے گل
ایسا ہی بعد مرگ بھی ہم سے وفا رہے
اس واسطے مزار پہ میرے چڑھائے گل

مرتی ہیں گل کے نام ہی پہ بلبلیں کہ اب — پھرتی ہیں ساتھ ساتھ مرے جب سے کھائے گل

کھٹکوں عدو کی آنکھ میں تا بعد مرگ بھی — کانٹے مرے مزار پہ رکھنا بجائے گل

کس کس طرح سے کھوئے گئے غیر کیا کہوں — روزِ جزا ابھی سینہ پہ میرے جو پائے گل

جلتی ہی تیرے حسن جہاں سوز سے بہار — نکلیں گے شعلے خاک چمن سے بجائے گل

آخر دو رنگی اُس گلِ رعنا پہ کھل گئی — لوگوں کو دیکھکر جو عدو نے چھپائے گل

عاشق سے پہلے راہ محبت میں جان دی — کیونکر نہ عندلیب کرے جان فدائے گل

خاموش عندلیب کہ طاقت نہیں رہی — ہیں چاک ٹکڑے کان کے مثلِ قبائے گل

شاید ہکلے نہ لائیگا اُسکو کہ غیر نے — بستر پہ میرے کانٹوں کے بدلے بچھائے گل

جس گل میں ہی ادا وہ چمن میں بھلا کہاں — اے بلبلو تمہیں کو مبارک ادائے گل

پھر اُنھیں کو غم ہی کہ بلبل کی آہ پر — کرتا ہی کون چاک گریباں سوائے گل

جنت میں پہنچیں بلبلیں پروانے جل گئے — اب کون شمع گور پہ اور کون لائے گل

اک گل کا شوق تھا سبب اپنی وفات کا — پھولوں کے دن مرے رفقا نے منگائے گل

لکھی یہ ہم نے وہ غزلِ تازہ شیفتہ
ہر شعر جس میں داغ دہ دستہ ہائے گل

۶۶

کہ ہم سے خفا وہ ہیں گئے اُن سے خفا ہم — ۱۵ — مدت سے اسی طرح بنی جاتی ہے باہم

کرتے ہیں غلط یار سے اظہار وفا ہم
ثابت جو ہوا عشق کجا یار کجا ہم

کچھ نشۂ مے سے نہیں کم نشۂ نخوت
تقویٰ میں بھی صہبا کا اُٹھاتے ہیں مزا ہم

موجود ہے جولاؤ جو مطلوب ہی وہ لو
مشتاق وفا تم ہو طلبگار جفا ہم

نے طبع پریشاں تھی نہ خاطر متفرق
وہ دن بھی عجب تھے کہ ہم اور آپ تھے باہم

کیا کرتے ہیں کیا سنتے ہیں کیا دیکھتے ہیں ہائے
اُس شوخ کے جب دیکھ لیتے ہیں بند قبا ہم

یہ طرز ترنم کہیں زنہار نہ ڈھونڈھو
اے شیفتہ یا مرغ چمن کہتے ہیں یا ہم

مرگئے ہیں جو ہجر یار میں ہم
سخت بیتاب ہیں مزار میں ہم

تا دل کینہ ور میں پائیں جگہ
خاک ہو کر ملے غبار میں ہم

آمد آمد میں اسقدر شورش
دیکھئے کیا کریں بہار میں ہم

وہ تو سو بار اختیار میں آئے
پر نہیں اپنے اختیار میں ہم

کب ہوے خار راہ غیر بھلا
کیوں کھٹکتے ہیں چشم یار میں ہم

کوئے دشمن میں ہو گئے پامال
آمد و رفت بار بار میں ہم

نعش پر تو خدا کے واسطے آ
مرگئے تیرے انتظار میں ہم

گر نہیں شیفتہ خیالِ فراق

کیوں تڑپتے ہیں وصل یار میں ہم

مطبوع یار کو ہی جفا اور جفا کو ہم
کہتی ہی بد عدو کو وفا اور وفا کو ہم

دشنام بھی سُنے نہ تمھاری زبان سے
ہی کوسنی اثر کو دعا اور دعا کو ہم

افغان چرخ رس کی لپٹ نے جلا دیا
نامہ کو ڈھونڈھتی ہی صبا اور صبا کو ہم

لاتا ہی ظن نیم تبسم سے جوش میں
دل کو قلق قلق کو بکا اور بکا کو ہم

درماں مریض غم کا نرے کچھ نہ ہو سکا
چھیڑے ہی چارہ گر کو دوا اور دوا کو ہم

پھر کیوں نہ دیکھنے سے عدو کے ہو منفعل
پھر اُس کو دو کہتی ہے حیا اور حیا کو ہم

ہیں جاں بلب کسی کے اشارے کی دیر ہی
دیکھے ہی اُس نگہ کو قضا اور قضا کو ہم

ہی آرزوے شربت مرگ انکو شیفتہ
لگتی ہی زہر ہمکو شفا اور شفا کو ہم

بچتے ہیں اسقدر جو اُدھر کی ہوا سے ہم
واقف ہیں شیوہ دل شورش ادا سے ہم

افشائے راز عشق میں ضرب المثل ہے وہ
کیونکر غبار دلمیں نہ رکھیں صبا سے ہم

چلتے ہیں میکدہ کو کہاں یہ عزیز وہاں
رخصت تو ہولیں کبر و نفاق وریا سے ہم

اے جوش رشک قرب عدو انکو مت اُٹھا
بیٹھے ہیں دیکھ بزم میں کس التجا سے ہم

ہی جامہ پارہ پارہ دل وسینہ چاک چاک
دیوانہ ہو گئے گل جیب قبا سے ہم

کیا جانتے تھے صبح وہ محشر قدم آئیگا
شامِ شبِ فراق نہ مرتے بلا سے ہم

ہر بات پر نگاہ ہماری ہی اصل پر
لیتے ہیں مشکِ زخم کو زلفِ دوتا سے ہم

بیگانہ جب سے یار ہوا ہی رقیب سے
امید قطع کر چکے ہر آشنا سے ہم

بلبل یہ کہہ رہی ہی سرِ شاخسار پر
پست ہو رہے ہیں چمن کی ہوا سے ہم

کم التفات ہم سے سمجھتے ہیں اہلِ بزم
شرمندہ ہو گئے تری شرم و حیا سے ہم

ہاں شیفتہ پھر اس میں نصیحت ہی کیوں نہ ہو
سنتے ہیں حرفِ تلخ کو سمعِ رضا سے ہم

۲۰

کم فہم ہیں تو کم ہیں پریشانیوں میں ہم
دانائیوں سے اچھے ہیں نادانیوں میں ہم

شاہد رقیب ڈوب مریں بحرِ شرم میں
ڈوبیں گے موجِ اشک کی طغیانیوں میں ہم

محتاج فیضِ نامیہ کیوں ہوتے اسقدر
کرتے جو سوچ کچھ جگر افشانیوں میں ہم

پہنچائی ہم نے مشق یہاں تک کہ ہو گئے
استادِ عندلیب نوا خوانیوں میں ہم

غیروں کے ساتھ آپ بھی اٹھتے ہیں غم سے
لو بیزبان بن گئے مہمانیوں میں ہم

جن جن کے تو مزار سے گزرا وہ جی اٹھے
باقی رہے ہیں ایک سے فانیوں میں ہم

گستاخیوں سے غیر کی انکو ملال ہے
مشہور ہوتے کاش ادا شانیوں میں ہم

دیکھا جو زلفِ یار کو تسکین ہو گئی
یک چند مضطرب سے تھے پریشانیوں میں ہم

آنکھوں سے یوں اشارہ دشمن نہ دیکھئے
ہوتے نہ اسقدر جو نگہبانیوں میں ہم

جو جان کھو کے پائیں تو فوز عظیم ہے
وہ چیز ڈھونڈھتے ہیں تن آسانیوں میں ہم

پیر مغاں کے فیض توجہ سے شیفتہ
اکثر شراب پیتے ہیں روحانیوں میں ہم

71

کیوں نہ اُڑ جائے مرا خواب ترے کوچے میں
فرش ہے مخمل و کمخواب ترے کوچے میں

دولت حسن یہاں تک تو لٹا دی ظالم
اشک ہے گوہر نایاب ترے کوچے میں

جوشش گریہ عشاق سے اک دم میں ہوا
شجر سوختہ شاداب ترے کوچے میں

ہوش کا پاؤں جو یہاں آ کے پھسل جاتا ہے
کیا اُنڈھائی ہے مئے ناب ترے کوچے میں

ہے کف پائے عدو پا سے تری رنگیں تر
بسکہ ہم روتے ہیں خوں تاب ترے کوچے میں

گوشہ گیری سے بھی گردش نہ گئی طالع کی
پھرتے ہیں صورت دولاب ترے کوچے میں

غیر نے سنگ جو پھینکے وہ ہوئے بالش سر
چین سے کرتے ہیں ہم خواب ترے کوچے میں

وہ بھی محروم نہیں جن کو نہیں بزم میں بار
تیرے رخسار کی ہے تاب ترے کوچے میں

چلدیا شیفتہ سو دیں خدا جانے کہاں
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں احباب ترے کوچے میں

72

کچھ درد ہی مضطربوں کی سے لئے ہیں
کچھ آگ بھری ہوئی ہے سینے میں

کچھ زہر اُگل رہی ہے بلبل
کچھ زہر ملا ہوا ہے مے میں

بدمست جہان ہو رہا ہے
ہی یار کی بو ہر ایک شے میں

ہیں ایک ہی گل کی سب بہاریں
فروردیں میں او فصل دے میں

ہے مستیٔ نیم خام کا ڈر
اصرار ہے جام پے بہ پے میں

میخانہ نشیں قدم نہ رکھیں
بزم جم و بارگاہ کے میں

اب تک زندہ ہی نام وہاں کا
گذرا ہے حسین ایک سنے میں

ہوتی نہیں طے حکایت طے
گذرا ہے کریم ایک طے میں

کچھ **شیفتہ** یہ غزل ہے آفت
کچھ درد ہے مطربوں کی لے میں

یہ دشمنوں ہوتے ہیں دو چار ترے کوچے میں
ایک ہنگامہ ہے ای یار ترے کوچے میں

فرش رہ ہیں دل افگار ترے کوچے میں
خاک ہو رہوں گلزار ترے کوچے میں

سرفروش آتے ہیں بے یار ترے کوچے میں
گرم ہی موت کا بازار ترے کوچے میں

شعر بس اب نہ کہونگا کہ کوئی پڑھتا تھا
اپنے حالی مرے اشعار ترے کوچے میں

نہ ملا ہم کو کبھی تیری گلی میں آرام
نہ ہوا ہم پہ جز آزار ترے کوچے میں

ملک الموت کے گھر کا تھا ارادہ اپنا
لے گیا شوق غلط کار ترے کوچے میں

تو ہے اور غیر کے گھر جلوہ طرازی کی ہوس — ہم ہیں اور حسرتِ دیدار ترے کوچے میں

ہم بھی وارستہ مزاجی کے ہیں اپنی قائل — خلد میں روح تن آزار ترے کوچے میں

کیا تجاہل سے یہ کہتا ہے کہاں رہتے ہو — تیرے کوچے میں ستمگار ترے کوچے میں

شیفتہ ایک نہ آیا تو نہ آیا کیا ہے
روز آ رہتے ہیں دو چار ترے کوچے میں

شکوہ جفا کا کیجے تو کہتے ہیں کیا کروں — تم سے وفا کروں کہ عدو سے وفا کروں

گلشن میں چلکے بند قبا تیرے وا کروں — جی چاہتا ہے جامۂ گل کو قبا کروں

آتا ہوں پیر دیر کی خدمت سے مست میں — ہاں زاہدو تمہارے لیے کیا دعا کروں

جوشِ فغان وداع کہ منظور ہے انہیں — دل نذر کاوشِ نگۂ سرمہ سا کروں

نفرین بیٹھا رہے اس عہد و سہو پہ — گر ایک میں صواب کروں سو خطا کروں

مطرب بدیع نغمہ و ساقی پری جمال — کیا شرح حالتِ دلِ درد آشنا کروں

تم دلربا ہو دلکو اگر لے گئے تو کیا — جب گاہ ہوکے میں اثر کہربا کروں

اے چارہ ساز لطف کہ تو چارہ گر نہیں — بس اے طبیب رحم کہ دل کی دوا کروں

پیتا ہوں میں مدام مئی ناب معرفت — اصلِ سرور دام خباثت کو کیا کروں

یا اپنے جوشِ عشوۂ پیہم کو تھامیے — یا کعبے میں بھی نالۂ شورش فزا کروں

میں جل گیا وہ غیر کے گھر جو چلے گئے
شعلے سے استعارہ آوانہ پا کروں

ڈر ہے کہ ہو نہ شوق مزامیر شیفتہ
ورنہ کبھی سماع مجرّد سنا کروں

مانا سحر کو یار اُسے یہاں جلوہ گر کریں
طاقت ہمیں کہاں کہ شبِ غم سحر کریں

تزئین میری گور کی لازم ہی خوب سی
تقریبِ سیر ہی سے وہ شاید گذر کریں

اب ایک اشک ہی دُرِ نایاب وہ کہاں
تارِ نظر جو گریہ سے سلکِ گہر کریں

وہ دوست ہیں انھیں ہوا اثر ہو گیا تو کیا
نالے ہیں وہ جو غیر کے دل میں اثر کریں

آئے تو اُنکو رنج نہ آئے تو مجھکو رنج
مرنے کی میری کاش نہ اُنکو خبر کریں

ہے جی میں سونگھیں نکہتِ گل جا کے باغ میں
بس کب تک التجائے نسیمِ سحر کریں

اب کی ارادہ ملکِ عدم کا ہی شیفتہ
گھبرا گئے کہ ایک جگہ کیا بسر کریں

شبِ وصل کی بھی چین سے کیونکر بسر کریں
جب یوں نگاہبانیٔ مرغِ سحر کریں

محفل میں اک نگاہ اگر وہ ادھر کریں
سو سو اشارے غیر سے پھر رات بھر کریں

طوفانِ نوح لانے سے ای چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

آز و ہوس سے خلق ہوا ہی یہ نامراد
دل پر نگاہ کیا ہے وہ مجھپر نظر کریں

کچھ انکی ہم سے بولیے تو یہ جی ہیں ہی کہ پھر ناصح کو بھی رقیب سے آزردہ تر کریں

وہاں ہی وہ نغمہ جس سے کہ حوروں کے ہوش جائیں یہاں ہی وہ نالہ جس سے فرشتے حذر کریں

اہلِ زمانہ دیکھتے ہیں عیب ہی کو بس
کیا فائدہ جو شیفتہ عرضِ ہنر کریں
۷۷

کب ہاتھ کو خیال جزائے رفو نہیں کب پارہ پارہ پیرہنِ چارہ جو نہیں

گلگشت باغ کس چمن آرائی کی کہ آج موجِ بہار مدعی رنگ و بو نہیں

واں بار ہو گیا ہے نزاکت سے ناز بھی یہاں ضعف سے دماغ و دلِ آرزو نہیں

کس سے نشاط یا دلِ حیرت زدہ کا حال یہ کیا ہوا کہ آئینہ اب روبرو نہیں

تغیرِ رنگ کہتی ہے وصلِ عدو کا حال یعنی نقاب رخ پہ کبھو ہے کبھو نہیں

گستاخ شکوہ کیا ہوں کہ اندازِ عرض پہ سمجھتے ہیں اختلاط کی بندے کی خو نہیں

کیا جانے وہ ستم کو ہو گو شہیدِ ناز جو نیم کشتۂ خنجرِ رشکِ عدو نہیں

ابرِ بہار و گلشن و داغ و نسیم آہ سامانِ عیش سب ہے پہ افسوس تو نہیں

بد خوئیوں سے یار کی کیا خوش ہوں شیفتہ
ہر ایک کو جو حوصلۂ آرزو نہیں
۷۸

کچھ اور بیدلی کے سوا آرزو نہیں اے دل یقین جان کہ ہم ہیں تو تو نہیں

بے اشکِ لالہ گوں بھی میں بے آبرو نہیں
آنسو میں رنگ کیا ہو کہ دل میں لہو نہیں

پھر بھی کہو گے چھیڑنے کی اپنی خو نہیں
عطرِ سہاگ ملتے ہو وہ جس میں بو نہیں

یہ کیا کہا کہ بکتے ہو کیوں آپ ہی آپ تم
اے ہمنشیں مگر وہ مرے روبرو نہیں

بے طاقتی نے کام سے یہ کھو دیا کہ بس
دل گم ہوا ہے اور سرِ جستجو نہیں

محفل میں لحظہ لحظہ وہ چشمِ ستیزہ خو
لڑتی ہیں کیوں اگر سرِ صلحِ عدو نہیں

کیا جوشِ انتظار میں ہر سمت دوڑتا ہے
بدنامیوں سے ہائے گذر ایکسو نہیں

دی کس نے اشکِ سرمہ سے تیغِ مژہ کو آب
شورِ فغاں کو فکرِ خراشِ گلو نہیں

یہ پیچ و تاب میں شبِ غم نے حواسیاں
اے دل خیالِ طرۂ تابیدہ مو نہیں

دستِ جنوں نے جامۂ ہستی قبا کیا
اب ہائے چارہ گر کو خیالِ رفو نہیں

شکوۂ ستم بھی راس نہ آیا ہمیں کہ اب
کہتے ہیں وہ کہ لایقِ الطاف تو نہیں

ہرجائی اپنے وحشی کو کس منہ سے کہتے ہو
کیا آپ کا نشانِ قدم کو بکو نہیں

نیرنگیوں سے تیری یہ حالت تغیر کی
امید زندگی کی کبھو ہے کبھو نہیں

کیا ہو سکے کسی سے علاج اپنا شیفتہ
اس گل پہ غش ہیں جس میں محبت کی بو نہیں
79

ہم سے آزادہ روش ہاتھ میں زر رکھتے ہیں
کیا قیامت ہے کہ اب سرو ثمر رکھتے ہیں

شکر ہیں وصل کی شب کی قفسِ چرخ سے ہم
فکرِ آزادیٔ مرغانِ سحر رکھتے ہیں

نہ مذمت کا تحمل نہ ثنا کی خواہش
عیب رکھتے ہیں نہ ہم کچھ نہ ہنر رکھتے ہیں

دل ترا سنگ ہی پر آگ کہاں ہی اسمیں
دل ہمارا ہی کہ شیشہ ہیں شرر رکھتے ہیں

آہ و زاری کی مصیبت سے بہت سہل چھٹے
بذلہ و ہزل ترے دل میں اثر رکھتے ہیں

نہ ہمارا کوئی دشمن نہ ہمارا کوئی دوست
وہ نظر اور ہی ہی جو اہلِ نظر رکھتے ہیں

بیخودی ہمکو ہی اور اُنکو خود آرائی ہی
نہ ہماری وہ نہ ہم اُنکی خبر رکھتے ہیں

شیفتہ ہم سے ہو جس شخص کو ملنا ہو لے
صبح اس شہر سے ہم عزمِ سفر رکھتے ہیں

گرمجوشی ہی مگر فرق شرارت میں نہیں
چھیڑ کس بات میں طعنہ کس اشارت میں نہیں

رات ساقی نے کہا جبکہ یہ سب جلسے ہیں
وہ عبارت میں نہیں اور اشارت میں نہیں

ہمکو مقصد سے زیادہ ہی ادب میں کوشش
ورنہ کچھ غیر سوا ہم سے عبارت میں نہیں

رند فارغ بھی ہوئے جام سحرگاہی سے
اور زاہد ابھی آہنگ طہارت میں نہیں

فرحتِ نفس جو وہ ہی تو یہ ہی راحتِ روح
کیا بزرگی میں مزا ہی جو حقارت میں نہیں

اہلِ دانش کے فوائد کی تو کیا بات مگر
غور سے دیکھو تو عاشق بھی خسارت میں نہیں

جامِ مے دے کہ وہاں کام پڑا ہی مجھکو
کہ صبا کو بھی جہاں دخل سفارت میں نہیں

قتل و غارت کہ سمجھتے ہو جسے امر عظیم
یہ تو ادنیٰ فعل بھی وہاں تا بہ شرارت میں نہیں

دل کے بدلے میں طلبگار نہیں کچھ تم سے
شیفتہ زمرۂ اصحاب تجارت میں نہیں

نہ سمجھو رہنما ہیں اعدا جو سر جھکاتے ہیں
نہ اقربا سے نقش قدم مٹاتے ہیں

چراغ وقت محبت نے کر دیا افسوس
کہ مجھکو اپنی پرائے سبھی جلاتے ہیں

جواں سے نقشہ صحبت ہی رہا چندے
تو دیکھو لوگے کہ ہم نقش کیا بٹھاتے ہیں

ہیں اس کے لطف کی باتوں کے دھیان میں چپ چاپ
کہاں ہے غش فقط عطر کیوں سنگھاتے ہیں

شب وصال میں تا کیفیت اٹھا نہ سکوں
وہ مجھکو ساغر مے متصل پلاتے ہیں

تمھاری بات میں کیا آ گیا ہے شیفتہ فرق
کہ مدعی بھی کچھ اب مدعا بتاتے ہیں

عذر اک ہاتھ لگا ہے انھیں یہاں آنے میں
کیوں کہا میں نے کہ چلیے مرے غمخانے میں

سیر وحشت کو جو اک خلق چلی آتی ہے
شہر آباد ہوا ہے مرے ویرانے میں

ہم بھی محروم سہی غیر تو ہو ںگے محروم
لطف آ جائے کہیں یار کو شرمانے میں

یہ تو سچ ہے کہ بجا محتسب و بادہ کشی
پھر بایں جوش یہ کیوں آتے ہیں مےخانے میں

لے لیا پنجۂ گلگوں میں جو اپنے تو نے
ہم نے جانا ہیں جڑے لعل ترے شانے میں

سچ کہا غیر کو گھر نیند نہ آئی ہوگی
شگفتہ سن کے وہ دیتے ہیں جو لاکھوں دشنام

فرش ہی مخمل کا شاں ترے کاشانے میں
اثرِ بادہ ہی گویا مرے افسانے میں

ہے ستم کے رشک کا اُنکے گماں میں امتحاں
آرزوئے مرگ بھی روزِ جدائی مرگئے
چھیڑ تو دیکھو کہ بعد از قتل مجھ سے یہ کہا
دیکھنا آئینہ دیکھیں ہم ہنسیں گے یا نہیں

غیر کا کرتے ہیں میرے امتحاں میں امتحاں
کر لیا تاب و اثر کا اک فغاں میں امتحاں
آپ کا ہرگز نہ تھا اپنے گماں میں امتحاں
اپنے غم کا لیں گے سیرِ زعفراں میں امتحاں

اُن کے کوچے میں تمھیں لیجاؤں کیونکہ شگفتہ
کر چکا ہوں تمکو سیرِ گلستاں میں امتحاں

تنگ بھی جا خاطرِ ناشاد میں
کیونکر اُٹھنا ہی خدا رنجِ قفس
وہ جو ہیں تاریخ سے واقف بتائیں
یہاں امیدِ قتل ہی نے خوں کیا
نئے تعلق پن بھی آخر قید ہے
غمزۂ شیریں ہی کی دولت سے تھا
کیوں خبر لو پوچھی ترا بیمار ہائے

آپ کو بھولے ہم اُن کی یاد میں
مرگئے ہم تو کفِ صیّاد میں
فرق بادِ آہ و بادِ عاد میں
رہ گئی حسرت دلِ جلّاد میں
قید پائی خاطرِ آزاد میں
جو اثر تھا تیشۂ فرہاد میں
مرگیا شورِ مبارکباد میں

بے تکلف جی میں جو آئے کرو
کیا دھرا ہے نالہ و فریاد میں

دھیان تجھکو ہو نہ ہو پر شیفتہ
رات دن رہتا ہی تیری یاد میں

ہی امتزاج مشک مئے لعل فام میں
آتی ہے بوئے غیر ہمارے مشام میں

پہنچے کہاں تصرفِ ساقی سے اہلِ بزم
پہنچے نہیں شراب صراحی سے جام میں

تا فرق آئے بات میں فرمائشیں وہ کیں
تعجیل جن کی ہو نہ سکے انصرام میں

اب کچھ ہمیں غنا سے تعلق نہیں رہا
جوش و تپش کو بار نہیں اس مقام میں

اس لطف سے کہاں ہی نسیم چمن میں بو
جو لطف بھر رہا ہی تمھارے پیام میں

ہی شرط عشق یہ کہ نہ غفلت ہو ایک دم
کیسا ہی دل پھنسا ہو امورِ عظام میں

آئی جو آج کام میں صہبائے تند و تلخ
ساقی نے خوب راز کہے بارِ عام میں

آہو کی بخت آئے جو تیرے کمند میں
بلبل کی قسمت آئی اگر تیرے دام میں

تمکو نہیں جو عجب تعجب ہی شیفتہ
ہی فی زماننا یہ سرشتِ کرام میں

اشک آہ دلِ زار کی افواہیں ہیں
یعنی مجھپر کرم یار کی افواہیں ہیں

شرم اسے نالہ دلِ خانۂ اغیار میں بھی
جوشِ افغاں عزا بار کی افواہیں ہیں

کب کیا دل میں مرے پند و نصیحت نے اثر
ناصح بیہدہ گفتار کی افواہیں ہیں

جنس دل کی وہ خریدار ہوئے تھے کس دن
یہ یونہیں کوچہ و بازار کی افواہیں ہیں

قیس و فرہاد کا منہ تجھ سے مقابل ہونگے
مردم وادی و کہسار کی افواہیں ہیں

یہ بھی کچھ بات ہی میں اور کروں غیر سے بات
تم نہ مانو کہ یہ اغیار کی افواہیں ہیں

کس توقع پہ ہیں شیفتہ مایوس کرم
غیر پر بھی ستم یار کی افواہیں ہیں

خوشرو بدخو ہیں کیا میں چاہوں
بیگانوں سے کیونکر آشنا ہوں

مت چھیڑ کہ یار سے جدا ہوں
لے مرگ میں آپ مر رہا ہوں

ممکن نہیں بن ملے نباہوں
بیگانہ آشنا نما ہوں

لیلیٰ کہے سے بگڑ گئی تھی
دیوانہ میں جانکر بنا ہوں

کہتا ہوں جو غیر سے نہ ملئے
کہتا ہے کہ کیا میں بیوفا ہوں

روشن ہے مری سیاہ بختی
منّت کش سایۂ ہما ہوں

بیگانہ وشی ستم ہے اُن کی
غیروں کو بھی یار جانتا ہوں

اُس غیرت گل سے ربط معلوم
ہر چند میں ہمدم صبا ہوں

ہمدم نہ سہی محبّت اُس کو
اس بات پہ کیا اُسے نہ چاہوں

دی غیر کو اُس نے کب عرق چیں
میں شرم سے آب کیوں ہوا ہوں

دیکھا نہیں مجھکو سُنتے ہیں وہ
کیا پائے رقیب کی صدا ہوں

مکشوف ہوا فروغِ غم سے
ذرّہ میں کس آفتاب کا ہوں

ہیں شیفتہ ہوں عزیزِ دلہا
شیریں گفتار خوش نوا ہوں

عہدِ ثبات عہد پہ ہے متصل نہیں
ای شیفتہ نوید وہ پیماں گسل نہیں

الفت چھپا کے اور بھی شرمندہ میں ہوا
اظہارِ عشق غیر سے وہ منفعل نہیں

ستنا چھیڑا ہے رقیب کہ مانندِ زلفِ یار
سرتاپا شکستہ ہوں پر مضمحل نہیں

دل سختیاں سہے یہ کہاں نازکی تن
دلّی کے سنگدل تو بتانِ چگل نہیں

کیا روئیے کہ تذکرہ سوزِ رشک سے
وہ گل عرق عرق تو ہے لیکن خجل نہیں

پتھر وہ اور ہے جسے مشکل ہے ٹالنا
فرہاد بے ستون تو سینہ کی سل نہیں

جو حال پوچھنا ہو تم اُس سے ہی پوچھ لو
مجھکو دماغ قصۂ غم ہائے دل نہیں

بیمار ہے کسی کی ہوا کیسے کہاں جی کو ہائے ہائے
صحرائے قیس گھر کے مرے متصل نہیں

لگ جاؤ اینٹ آؤ گلے سب چلے گئے
اک شیفتہ رہا ہے سو وہ کچھ مخل نہیں

کن حسرتوں سے مرتے ہیں ہم کو غم نہیں
اپنے بھی مرگ مرگ تمنا سے کم نہیں

قاصد کے ساتھ بے ادبی ہوگی لا کلام
جز شکوہ اور کچھ مرے خط میں رقم نہیں

ہر شغل میں اہم ہے نگہبانی نفس
اس سے سوا جہان میں شغلِ اہم نہیں

ہرگز نہ چھپائے چمن زار عشق میں
جو مرغ آتشیں نفس شعلہ دم نہیں

سو بار امتحان وفا کر چکے پر آہ
اب تک بھی دوستی تمھیں دشمن سے کم نہیں

حیرت فروغ آئینۂ دل ہے وصل میں
بے وجہ ہی عتاب کہ آنکھوں میں نم نہیں

افسون پیر دیر کی تاثیر ہائے ہائے
وہم و خیال میں بھی شراب و صنم نہیں

آنکھوں کو نے ہوس کہ رُخِ سادہ دیکھیے
سر میں ہوائے طرۂ پر پیچ و خم نہیں

دشمن کہیں گیا نہ ہو آنکھوں سے شیفتہ
اُس کی گلی میں آج نشانِ قدم نہیں

۸۹

مجھے عاشق جو دیکھا پیر کنعاں نے جوانی میں
کہا کچھ تو بسر کی ہوتی تم نے شادمانی میں

جلے کیا کیا نہ عرضِ سوزشِ داغِ نہانی میں
عجب آرام تھا اے شمع ہم کو بے زبانی میں

عدو سے بات کی جب جی نہ آیا بدگمانی میں
غرورِ حسن کم ہوتا ہے الطافِ زبانی میں

یہ احسانِ اجل ہے شمع و گل جو گور پر لائے
یہ اُس کا کام ہے جو داغ رکھے زندگانی میں

کرم ہے مصلحت ظالم کہ شادی مرگ ہو جاؤں
ستم ہے فائدہ جب کام نکلے مہربانی میں

قلق سے نالے ہو نہ وں نکل گئے تو کہتے ہیں
مجھیں کیا غم گذرتی ہی تمہاری شعر خوانی میں

عدو بھی شامل لذت ہیں اس سے کاش سم ہوتے
مزا آتا نہیں مجھکو تری شیریں زبانی میں

عدو سے کیوں اشارے اور ہم سے کیوں تغافل ہی
سزا ہی یہ ہمیں دعوی بہت تھا رمزدانی میں

سبک تم ہو تے ہو بس اے شیفتہ ایسی ہی باتوں سے
کہ تم سر پاؤں پر رکھتے ہو وہ ہی سرگرانی میں

کب نگہ اس کی عشوہ بار نہیں
کب نگاہیں کرشمہ زار نہیں

عجز پر رحم یہ کسے آیا
تم تو مانا ستم شعار نہیں

یہاں فغاں سے لہو ٹپکتا ہی
میں تو اسنج شاخسار نہیں

کلفت دل سے ہی جو آلودہ
گوہر اشک آبدار نہیں

ہم ہیں ایسے فراخ روزو بیش
محفل پادشا سے عار نہیں

نہ جلا خانۂ عدو تو نہ ہیں
شعلۂ آہ ہی شرار نہیں

باغ بے صرفہ چلکے کیا کیجیے
جن سے تھی باغ کی بہار نہیں

بادہ بیہودہ پی کے کیا کیجے
اب وہ ساقی نہیں وہ یار نہیں

اے منجم عبث یہ نادانی
تو کچھ اندازہ دان کار نہیں

تو روش یاب مہر و ماہ غلط
تو ادا سنج روزگار نہیں

واقف اسرار آسمانی سے
جز حریفانِ بادہ خوار نہیں

چڑھ گئے ہیں کسی کے پھر دم پہ
شیفتہ آج بیقرار نہیں

کون سے دن تری یاد اے بتِ سفاک نہیں
کونسی شب ہے کہ خنجر جگر چاک نہیں

لطف قاتل میں تامل نہیں پر کیا کیجے
سرِ شوریدہ میرا قابلِ فتراک نہیں

تجھ پہ اے دلبرِ عالم جو ہر اک مرتا ہے
اس لیے مرنے سے میرے کوئی غمناک نہیں

دل ہوا پاک تو پھر کون نظر کرتا ہے
اور دل پاک نہیں ہے تو نظر پاک نہیں

علم اور جہل میں کچھ فرق نہ ہو کیا معنے
ہم بھی بیباک ہیں پر غیر سے بیباک نہیں

قیس کو فضل تقدم ہے وگرنہ یہاں کیا
سرِ شوریدہ نہیں یا جگرِ چاک نہیں

ماسوی اللہ نہ رہے شیفتہ ہرگز دل میں
خسروی کاخ سرائے خس و خاشاک نہیں

کون ہے شہر میں جو کامِ ہوس یاب نہیں
کس جگہ زلف کی بو رخ کی تری تاب نہیں

مجھ پہ اُس جلوے سے جو کچھ کہ گزرتی ہے نہ پوچھ
اس قدر شعلہ کبھی آفتِ سیماب نہیں

برق و باراں کے تلاطم کا کہاں تک مذکور
رخ پر نور نہیں دیدۂ پر آب نہیں

وضع کا حفظ ہی ہے تو عشرتِ صحبت معلوم
بزمِ اغیار سے کم محفلِ احباب نہیں

اہل تحقیق کے نزدیک رخ زیبا کو
پردۂ شرم سے بہتر کوئی جلباب نہیں

سیر مہتاب کا وہاں عزم ہوا کیا موقوف
شب مہتاب میں لطف شب مہتاب نہیں

فیض حق عام ہے افسردہ دل زار نہ ہو
دشت کیا جلوہ گہ لالۂ شاداب نہیں

خواب میں بھی وہ نظر آئے ہیں غیر کے ساتھ
تلخ عیشوں کو میسر شکر خواب نہیں

کیا وہ صحرا کہ جہاں شور نہ ہو رہزن کا
کیا وہ دریا کہ جہاں پیچش گرداب نہیں

پارسا کیا ہوئے تم شیفتہ شادی بھی ہوئے
باغ کو چلتے ہو اور ساتھ مئے ناب نہیں

ناز و تمکیں ہے وہاں صبر کی یہاں تاب نہیں
یہی صورت ہے تو کچھ نبھنے کے اسباب نہیں

طرفہ نیرنگ محبت میں نظر آتے ہیں
برق آنکھوں سے ٹپکتی ہے پہ خوں ناب نہیں

ہائے وہ شوق ملاقات عدو میں جاگے
جس کی آنکھوں کے تصور میں مجھے خواب نہیں

منع کیوں عشق مجازی سے ہمیں کرتے ہو
زاہدو دہر مگر عالم اسباب نہیں

جان کی شکل دکھائی ہے بنا کر تجھکو
دل کی تصویر بنائی ہے یہ سیماب نہیں

بحر و بر میں کہیں آرام نہیں خاطر خواہ
بحر میں خار نہیں دشت میں گرداب نہیں

کہیئے اعدا کی بھی کچھ دلشکنی ہے منظور
یہ تو مانا کہ تمہیں خاطر احباب نہیں

کلفت آلودہ نظر پڑتی ہے مشتاقوں پہ
عشرتی بزم میں بھی صرف مئے ناب نہیں

کل یوم ہو فی شان کی ہی جلوہ گری
اور وجہ شب تار و شب مہتاب نہیں

شکوہ آئینِ محبت میں ہی ایجاد لطیف
نسخۂ اصل میں ہر چند کہ یہ باب نہیں

غمزہ نادر طلب اور عشوہ ہی نایاب پسند
جنس یہاں دل ہی سو نادر نہیں نایاب نہیں

شیفتہ عشق کی یہ دھوم اور اب تک حضرت
دلِ بیتاب نہیں دیدۂ بیخواب نہیں
۹۶

جی جائے پر جفا میں ہمارا زیاں نہیں
قدرِ وفا نہیں ہی اگر امتحاں نہیں

ہم بھی دکھاتے غیر سے اخلاص کا مزا
آفت تو یہ پڑی ہی کہ تم بدگماں نہیں

جو دیکھنا ہو دیکھ لیں اختر شناس جلد
نالے اگر یہی ہیں تو پھر آسماں نہیں

اسرار عشق بھی جو حریف نے کہہ دیئے
پھر اب کوئی یہاں ہیں رازِ نہاں نہیں

ہم آئے ہیں جہاں سے وہیں کا خیال ہے
جز شاخ سدرہ ہمکو سرِ آشیاں نہیں

واں شوقِ داستاں ہی یہاں داستانِ شوق
پر کیا کروں کہ دوست کوئی قصہ خواں نہیں

حرفِ درشت غیر سبک وضع بھی سہی
ہیں وہ ہوں جس پہ بارِ امانت گراں نہیں

رنگین تھی بے گناہوں کے خوں سے سوادِ شہر
حال آنکہ وہاں ہنوز سرِ امتحاں نہیں

حکمت ہی ہوگی برق جو دے ہمکو جائے دل
نے مصلحت صلاح و فسادِ جہاں نہیں

کیوں عار بزم شاہ سے کرتے ہیں اہلِ فقر
کچھ فرش بوریا سے تو کم پرنیاں نہیں

چلیے چمن کو نجم سحر جلوہ گر ہوا
پروین نہیں نبات نہیں کہکشاں نہیں

کیونکر سنیں وہ شہرت اگر کو بکو ہوا
افسوس کم شکیب مرا رازداں نہیں

آئینہ جلوہ گاہ پری ہے نہ دیکھنا
نظارۂ پری کی بشر کو تواں نہیں

ہم نے بھی ہزل و بذلہ گوارا کیا کہ واں
فخر فضیلت و شرف دودماں نہیں

مشہور روزگار ہی محسود روزگار
بے التفاتیوں سے ہمارا زیاں نہیں

گرہی فریب غمزۂ جادو اثر ہی
دلداری ایک شہر کی مشکل وہاں نہیں

کچھ ہم پہ آپ پر نہیں موقوف شیفتہ
کس کس کے دلپذیر وہ رعنا جواں نہیں

دل کا گلہ فلک کی شکایت یہاں نہیں
وہ مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

ہم آج تک چھپاتے ہیں یاروں سے رازِ عشق
حالانکہ دشمنوں سے یہ قصہ نہاں نہیں

زیبا نہیں ہے دوست سے کرنا معاملہ
کچھ ورنہ نازِ جان کے بدلے گراں نہیں

ہم زمرۂ رقیب میں ملکر وہاں گئے
جب شوق رہنما ہو کوئی پاسباں نہیں

آشفتہ مثل باد ہوں بیتاب مثل برق
کیونکر سہیں چرخ تری شوخیاں نہیں

ہم آپ نثار کریں کائنات کو
پر کیا کریں بساط میں جز نیم جاں نہیں

سامان وجد فتنۂ محشر کو دے دیا
وہ خاک پر ہماری جو دامن فشاں نہیں

کیوں ہیں ندیم دوست سفارش میں غیر کی
کیا ہمکو اُن سے رسم و رہِ ارمغاں نہیں

اک حالِ خوش میں بھول گئے کائنات کو
اب ہم وہاں ہیں مطرب و ساقی جہاں نہیں

کس کس پہ رشک کیجیے کس کس کو روئیے
کس دن وہ جلوہ آفتِ صد خانماں نہیں

کیوں یہ ہجومِ شور و شغب ہی نشور میں
ایسا تو شیفتہ ہمیں خوابِ گراں نہیں

آرام سے ہی کون جہانِ خراب میں
گل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں

سب اُنہیں محو اور وہ سب سے علاحدہ
آئینہ میں ہی آپ نہ آئینہ آب میں

معنی کی فکر چاہیے صورت سے کیا حصول
کیا فائدہ ہی موج اگر ہی سراب میں

نے بادِ نوبہار ہی اب سے نے شمیم گل
ہمکو بہت ثبات رہا اضطراب میں

حیرت ہی کیا نقاب ہیں گر رنگ رنگ کی
نیرنگ جلوہ سے ہی تنوع نقاب میں

فرصت کہاں کہ اور بھی کچھ کام کیجیے
پانی میں جیسے صرف ہی شبنم شراب میں

ذات و صفات میں بھی یہی ربط سمجھیے
جو آفتاب روشنی آفتاب میں

قطعِ نظر جو نقش و نگارِ جہاں سے ہو
دیکھو وہ آنکھ سے جو نہ دیکھا ہو خواب میں

طُوبیٰ لہم جو کشتۂ عشقِ عفیف ہیں
کیا شبہ اُس گروہ کے حسنِ مآب میں

مرنے کے بعد ہی کہیں شاید پتا لگے
کھویا ہی ہم نے آپ کو عہدِ شباب میں

پھر ہی ہوائے مطرب وَمی ہمکو شیفتہ
مدت گذر گئی ورع و اجتناب میں
۹۷

شوخی نے تیرے لطف نہ رکھا حجاب میں
جلوے نے تیرے آگ لگائی نقاب میں

آ نغمہ گر ہو چرخ میں لا آسمان کو
آ رقص کر زمین کو ڈال اضطراب میں

سو مہر کا فروغ ہی وہاں جلوہ گاہ میں
سو باغ کی شمیم ہی وہاں رختِ خواب میں

وہ قطرہ ہوں کہ موجۂ دریا میں گُم ہوا
وہ سایہ ہوں کہ محو ہوا آفتاب میں

سالک کی یہ مراد کہ مجھ سا ہو نفس بھی
رہزن کو یہ خیال کہ رہرو ہو خواب میں

اُس صوتِ جاں نواز کا ثانی بنا نہیں
کیا ڈھونڈھتے ہو بربط و عود و رباب میں

ای ولئے روزِ حشر اگر ہم سے ہو سوال
جو کچھ کیا ہی ہم نے شبِ ماہتاب میں

آتا ہی کون کون کہ آتے ہیں اب نظر
دربانِ انفعال میں حاجب حجاب میں

شرمِ گنہ نہ بیمِ عقوبت یہ رنج ہے
ہم ہی اُٹھائی اُس نے اذیّت عتاب میں

پوچھی تھی ہم نے وجہ ملاقات مدعی
اک عمر ہو گئی اُنھیں فکرِ جواب میں

لڑتی نہ جائے آنکھ جو ساقی سے شیفتہ
ہمکو تو خاک لطف نہ آئے شراب میں
۹۸

ناچار میں خموش وہ ناحق عتاب میں
طاقت تھی جتنی صرف ہوئی اضطراب میں

بوسے کئے قبول تو گنتی بھی چھوڑ دو — ایسا نہ ہو کہیں پڑے جھگڑا حساب میں

بیباک کسقدر ہے کہ ڈوبا ہوا ہی سب — دامن لہو میں اور گریباں شراب میں

شاید کہ پڑ گئی ہے کسی شیخ کی نظر — ہم نے دھڑک جو کرتے ہیں توبہ شباب میں

آخر جہان میں شبِ تاریک بھی تو ہے — اچھا نہ آئیں آپ شبِ ماہتاب میں

ای آفتِ زمانہ ترے دور میں شکیب — بلبل کو باغ میں ہی نہ ماہی کو آب میں

ہوتا ہی اژدہام تمنا اُسی قدر — ہوتی ہی جتنی دیر کشادِ نقاب میں

جور و ستم عیاں ہی وفا و کرم نہاں — لڑتے ہیں جاگتے میں مناتے ہیں خواب میں

بیباک شیوہ شوخ طبیعت زباں دراز — ملزم ہوا ہی پر نہیں عاجز جواب میں

اُس نے دمِ وداع کئے عہدِ التفات — افسوس میں نے کچھ نہ سُنا اضطراب میں

تکلیف شیفتہ ہوئی تمکو مگر حضور — اس وقت اتفاق سے وہ ہیں عتاب میں

۹۹

گرچہ خلل نہ آئے تمھارے فراغ میں — حسرت کا ہی ہجوم دلِ داغ داغ میں

مشاطہ باغباں کی طرح بیقرار ہے — میں اُن کے پاس گیا ہوں کہ گلچیں ہے باغ میں

پہلے نہ تھا جہاں میں دلِ داغ دار کیا — مشہور اسقدر جو ہوا لالہ داغ میں

جورِ ادیب و شوق حبیب و غمِ نشور — اپنا کوئی زمانہ نہ گذرا فراغ میں

صہبائے لالہ فام کہاں اور ہم کہاں
خونابۂ جگر ہے ہمارے ایاغ میں

معلوم ہے کہ ایلچیوں کو زیاں نہیں
قاصد نہ بھیجا ہو ہرگز بلاغ میں

فانوس شیشہ و لگن زر سے کیا حصول
وہ ہے وہاں جہاں نہیں روغن چراغ میں

نہ طاقت شکیب نہ اندازۂ ستیز
بیجا ہے اہتمام تلاش سراغ میں

اس نو بہار حسن کو بدنام مت کرو
ہے شیفتہ کے پہلے ہی شورش دماغ میں

پائی ہے بوئے دوست عنادل نے باغ میں
پروانوں پہ ہوئی ہے تجلّی چراغ میں

اس کا پتہ ملے تو ہمارا پتہ ملے
کھویا ہے ہم نے آپ کو جس کے سراغ میں

شکوے سے شہ ہوا سے ہے پیش وہاں کہاں
عشرت فقط نصیب ہے کنج فراغ میں

عارف نہیں وہ حفظ مراتب جسے نہ ہو
جو جلوہ باغ میں ہے کہاں ہے وہ راغ میں

ہر چند ایک نور سے روشن ہے بزم دہر
جو نور مہر میں ہے کہاں وہ چراغ میں

ایک قطرہ جس کا مست کرے کائنات کو
اے بے خبر وہ مے ہے ہمارے ایاغ میں

بلبل نے گل کبھی نہیں دیکھا جو دیکھ لے
زنہار پھر نہ فرق کرے دشت و باغ میں

سو بار آن لگا دے پڑھو حسن دوست پر
سامان صد بہار ہے ایک ایک داغ میں

پیری میں سیر باغ کی تقریب شیفتہ

۱

معشوقہ ساتھ ہی نہ خلل ہی دماغ میں

عید ہی اور ہمکو عید نہیں
اگر آ جایئے بعید نہیں

لاش تیری رسید تھی خط کی
خط کی یہ نامہ بر رسید نہیں

قیس کو جو کہے خفیف العقل
رائے اُس شخص کی سدید نہیں

گریہ ہی ہجوم ابرِ سیاہ
گر کوئی مے پیئے بعید نہیں

ہم اگرچہ ہیں اندنوں مقبول
لیکن اغیار بھی طرید نہیں

آج بھی منع بادہ اے زاہد
تیرے نزدیک عید عید نہیں

ذکر میرا سنو نہ مجنوں کا
لطف بے قصہ جدید نہیں

وہ ہیں اُسکے چشم و مژگاں کی
کس جگہ تربتِ شہید نہیں

نیند آئی رقیب آتا ہے
رخصت اتنی تو ہم بلید نہیں

شگفتہ اور بھی ہیں نغمہ سرا
پہ یہ آہنگ یہ نشید نہیں

ہے گو یہ گونہ شک ابھی عفو گناہ میں
جو ہے زبان پردہ نہیں ہے نگاہ میں

تمکین اضطراب ہے بیداد التفات
کیا شوخئے ادا ہے سراسیمہ آہ میں

ہر خار و خس ہے وجد میں ہر سنگ و خشت مست
کیا میکشوں نے آ کے کہا خانقاہ میں

دشمن سے بھی زیادہ ہی گو دوست کیوں نہو
ملجائے جو کوئی ترے کوچہ کی راہ میں

سرگشتہ انکے پھرنے سے ارباب درد ہیں
کیا فرق چرخ اخضر و چشم سیاہ میں

صیاد دلفریب کا اللہ رے لطف عام
بے زخم ایک صید نہیں صیدگاہ میں

ہی مجھ میں اور غیر میں نسبت وہی جو ہی
اندیشۂ درست و خیالِ تباہ میں

دن رات جسکو دیکھتے ہیں مہر و ماہ کے
یہ روشنی نہ مہر میں دیکھی نہ ماہ میں

یہاں بے زوال نعمت کمیاب عشق ہی
دعوی ہی بوالہوس کو اگر مال و جاہ میں

ہی جلوہ گر کرشمہ کہ انصاف پیشگی
ہلدی لگی ہوئی ہے سر دادخواہ میں

تجھکو نظر نہ آئے تو اپنا علاج کر
ہی مرغزار جلوہ نما برگ کاہ میں

دھوکا مجھے کو صرف نہیں سیل یار کا
دیکھا بڑے بڑوں کو اسی اشتباہ میں

ہر شیوہ اُس کا اپنی جگہ میں تمام ہی
اعجاز بات میں ہی تو جادو نگاہ میں

افسردہ خاطری وہ بلا ہی کہ شیفتہ
طاعت میں کچھ مزا ہی نہ لذت گناہ میں

ہم سے جو ہو غبار تو دشمن سے صاف ہو
تقصیر ہو کسی سے کسی کی معاف ہو

ہرگز ترے لبوں سے نہ چھوٹیں گے کام دل
سو بار آئیں تیغ سے گو لام و کاف ہو

دل دینگے مال دینگے مگر جان سو بچیز
بیہودہ ہی وہ شخص جو سرگرم لاف ہو

کافی ہی خوش گذرنے کو دنیا میں اسقدر
معشوق خوش مزاج ہو وجہ کفاف ہو

موصوف ہو ضرور جفا و عتاب کا
حسن وجمال میں جو کوئی یہاں مضاف ہو

ہی رشک بار عام غضب کیا عجب اگر
کنجِ خمول میں ہوسِ اعتکاف ہو

گر عفو ہو قصور تو اک عرض ہی ہمیں
یہ عرض ہی قصور ہمارا معاف ہو

غالب ہی کچھ تو فرق پڑے وہاں کی سیر سے
وحشت میں گر گذار میرا سوئے قاف ہو

رفتار چرخ ہی اسے شیوہ پہ دور کیا
گر آپ کی روش بھی ہمارے خلاف ہو

ہاں تو شگاف در سے لڑا آنکھ غیر سے
تیری بلا سے دلمیں کسی کے شگاف ہو

جو قیس کی روش تھی وہی اپنی راہ ہی
دونوں سلیم فکر ہیں کیوں اختلاف ہو

وہ طرز فکر ہمکو خوش آتی ہی شیفتہ
معنی شگفتہ لفظ خوش انداز صاف ہو

فروغ مہر نہ ہو رخ پہ گر نقاب نہو
نقاب اٹھا کہ یہ لمعانِ آفتاب نہو

بھرے ہیں رنگ تکلف سے اہلِ مےخانہ
شراب بس ہی نہیں ہی اگر کباب نہو

کہیں نہ جائے بت مہر وش یہ ممکن ہے
خلل پڑے متحرک جو آفتاب نہو

ہی دو للو شکر و ثنائی عدو سے بینائی
کروں میں کچھ گلہ لطف گر عتاب نہو

حجاب منظر مقصود ہی طلسم خودی
جو یہ طلسم نہ ٹوٹے تو فتح باب نہو

عزیز ہی بہت میکش کو چشمِ تر یعنی
نہو سحاب تو کیفیتِ شراب نہو

بہت ہی دھوم مچاتے ہیں میکدہ میں رند
مجھے یہ ڈر ہی کہیں مدرسہ خراب نہو

وہ ماہتابی پہ بیٹھے ہیں اور ہی شبِ ماہ
خلافِ شان ہی رُخ پر اگر نقاب نہو

غضب ہی قہر ہی دیکھے وہ چشم یہ جلوہ
جسے کہ مہر کی بھی دیکھنے کی تاب نہو

وہ رو دیٔ نالۂ موزوں شیفتہ سنکر
یہ وہ غزل ہی کہ جس کا کبھی جواب نہو

غیر سے حرفِ تمنائے جفا کہتے ہو
کس سے کہتے ہو تمھیں خیر ہے کیا کہتے ہو

زندگی خاک ہو جب فہم میں اتنا ہو خلاف
ہم اجل کہتے ہیں تم جسکو حیا کہتے ہو

کہتے ہیں لافِ وفا موت سے پہلے کیسی
ہم نہیں جانتے تم کسکو وفا کہتے ہو

گلہ جور پہ کہتے ہیں زہے نافہمی
ناز ہم کرتے ہیں تم اُسکو جفا کہتے ہو

شیفتہ شکوۂ دشمن سے بس آگے نہ بڑھو
دیکھو وہ دوست ہی تم کسکو بُرا کہتے ہو

توسنِ ناز اُٹھاتے کیوں ہو
خاک میں شہر ملاتے کیوں ہو

ناصحو یوں بھی تو مر جاتے ہیں
عشق سے مجھکو ڈراتے کیوں ہو

تابِ نظارہ نہیں پہلے ہی یہاں
تم مجھے آنکھ دکھاتے کیوں ہو

میرے نزدیک ہو لیلیٰ سے سوا — قصۂ قیس سناتے کیوں ہو

حاصل اس سلسلہ جنبانی سے — پائے خوابیدہ جگاتے کیوں ہو

عرضِ غم حوصلۂ غیر کہاں — مجھ سے تم بات بناتے کیوں ہو

آتشِ عشق کہیں بجھتی ہے
شیفتہ اشک بہاتے کیوں ہو

ربط واں ہاتھ کو جب غیر کے داماں سے ہو — کیوں نہ یہاں ہاتھ کو پھر ربط گریباں سے ہو

جلوۂ دوست اگر دیکھیے تو میرا ذمہ — پھر پری زاد کو وحشت اگر انساں سے ہو

جو خوشی خط سے تمھارے ہوئی اس سر کی قسم — وہ شہنشہ و شہ روم کے فرمان سے ہو

حسن کیا رکن امارت ہے کہ ممکن ہی نہیں — ربط اُن سے نہ کرے کوئی جو ارکان سے ہو

میں نہیں جانتا آپ آئیں وہ یا خط بھیجیں — پر مرے دل کو تسلی کسی عنوان سے ہو

ہر ورق میں ہے عیاں جلوۂ نیرنگِ بہار — کیوں نہ دیوانوں کو شورش مرے دیوان سے ہو

پھیر دیکھو کہ کہا دونوں کو ذلت ہو نصیب — پر نہ تجھے غیر سے ہو غیر کو دربان سے ہو

کس نے تاراج کیا ملکِ دل و دیں کہیے
آج تم شیفتہ کچھ بے سروسامان سے ہو

اضطراب جرس ہے کیوں دل کو — کہیں جنبش ہوئی ہے محمل کو

بوسہ لینا نہ مانگنا دشمن
گل کو ہے اُس کے کان سے تشبیہ

منہ لگاتا ہے کون سائل کو
کیا سُنے نالۂ عنادل کو

غمزۂ تیرے چشم کافر کا
سمجھے اعجاز سحرِ بابل کو

تجھ سے اے رشکِ خور جو دوں تشبیہ
نہو نقصان ماہِ کامل کو

اب وہ تو خط ہے ملتفت دیکھا
نقشِ تسخیر خطّ باطل کو

ہائے وہ شیفتہ کی بیتابی
تھام لینا وہ تیری محمل کو

اے فلک یوں کامیاب عیش کر پرویز کو
خوابِ شیریں بھی نہو فرہاد شور انگیز کو

سعیِ وصفِ نازنیں ہی فاکی شدیز کو
شوخیاں اب وسیلے چاہیے مہمیز کو

دیکھکر چشمِ غضب کو اُس کے میں اپنے رو دیا
چاہیے پانی ملا لینا شرابِ تیز کو

سانپ کے سونگھے ہوئے سے لے خبر ہوں مجھے
سونگھا لینے دو شمیم زلفِ عنبر بیز کو

کب ہوئیں گستاخیاں آدابِ دانِ عشق سے
دیجیے تنبیہ اپنی تمکینِ ہوس انگیز کو

نالہ موزوں کی بے پروا خرامی دیکھنا
کر دیا خلوت نشین غنچہ غارے ستاخیز کو

کیوں نہ شادی مرگ ہونا کام مجھسا دیکھکر
زخم کے منہ میں زبانِ خنجرِ خونریز کو

خطِ آزادی تھا نامہ غیر کا اے بوش رشک
پھاڑ ڈالا آپ ہم نے کینچی دست آویز کو

اہل محفل کی پسند طبع یہ انداز ہے
شیفتہ کسکو سناتے شعر درد آمیز کو

...تو شیریں کام کر تلخیٔ کشش بیداد کو
دے کفن تو عشق شیریں باف کا فرہاد کو

...آہ و زاری نارسا شوقِ اسیری بے اثر
کون لائے آشیانے تک مرے صیاد کو

...کامِ عشق شیریں بھی ہوئی پایان کار
یہ نویدِ شور افزا بھیجئے فرہاد کو

...کہتے ہیں زیرِ زمیں لیلی و مجنوں مل گئے
ہمکو بھی لازم ہے جانا وہاں مبارکباد کو

اک دمِ شمشیر سے آزار سے جاتے رہے
ہم مسیحا جانتے ہیں شیفتہ جلاد کو

اے دل جو ہو سو ہو نہ دے گرمِ فغاں نہو
یہ جورِ یار ہے ستمِ آسماں نہو

دلبستگی جو ایسی ہے قاصد سے کیا عجب
گر حلقِ زخم خوردہ سے بھی خوں رواں نہو

مہر و وفا جو ماہ وشوں سے بعید ہے
راضی ہیں ہم اسی میں کہ نا مہرباں نہو

کیا کیا بیان کرتے ہیں نادر نکات ہم
لیکن جب انجمن میں کوئی نکتہ داں نہو

صدق و صفا و مہر و وفا واں ڈھونڈھنا
جس شہر دیکھیں کہ سرائے مغاں نہو

آئی ہے فصلِ گل ہیں چمن سے ہوائے گرم
صیاد نے جلایا کہیں آشیاں نہو

کیا ہو دعائے مرگ ہیں اس شخص کو حجاب
جو نیم کشتۂ خنجرِ دردِ نہاں نہو

صوتِ حزیں سے کچھ ہو نہ شکلِ جمیل سے
گر صاحبِ معاملہ آزردہ جاں نہو

ایسا ہی سب کو چشمِ سخنگو سے شیفتہ
پھر میرے قتل پہ کوئی کیا ہمزباں نہو

ہی بد بلا کسیکو غمِ جاوداں نہو
یا ہم نہوں جہاں میں خدایا جہاں نہو

آئینِ اہلِ عشق کہاں اور ہم کہاں
ای آہ شعلہ بار نہو خوں چکاں نہو

فعلِ حکیم عینِ صلاح و صواب ہی
ساقی اگر شراب نہ دے سرگراں نہو

تدبیر ترکِ دشمنِ جاں کی ہی رات دن
کس طرح پھر مجھے گلۂ دوستاں نہو

کیا وہ متاع جسکی نہو کوئی گھات میں
ڈرتا ہوں میں جو دزدِ پسِ کارواں نہو

جب تک فروغِ مے سے نہو سینہ نورزار
ہرگز حریفِ میکدہ اسرار داں نہو

لازم ہی یار بھی تو ہو بیتاب ورنہ کیا
وہ عشق ہی کہ ہیچ یہاں ہو وہاں نہو

ناحق وہ جی جلاتے ہیں سودائے عشق پر
جن کو یہ سوچ ہی کہ کچھ اسمیں زیاں نہو

ہم بوئے دوست تجھکو سنگھائیں گے شیفتہ
مجھ سے شمیمِ طرۂ عنبر فشاں نہو

تہمت لگا کر آنکھ کوئی کیا خجل نہو
وسواس ہمکو جب ہو جو آئینہ دل نہو

تقوے میں ہم شریک ہیں رندی میں ہم شریک
صحبت سے اپنی کوئی ملول و خجل نہو

زنجیر آدھی رات کو کھٹکائے اور کون
تنہا ملا ہے یار زمانِ دراز میں
افسردگی کے اپنے جو گرمِ بیاں ہوں ہم
دشمن کے افتراسے رہائی محال ہے

ای جذب اشتیاق وہ پیماں گسل نہو
ای فرطِ جوشِ شوق بس اب تو مخل نہو
آتش کبھی جہان میں پھر مشتعل نہو
گھر بار کا جو گھر کے مرے متصل نہو

پھر دلبری میں گرم ہی دلدار شیفتہ
ڈرتا ہوں میں کہ پھر کہیں خواہانِ دل نہو

اتنی جمیل سے تو کبھی اُنس و خو نہو
ہی گل کا رنگ تجھ سے مشابہ نہ دیکھیے
سب آرزوئیں تجھ سے فلک نے نکالدیں
جانا کہیں ہو جانتے تھے یا ترے گھر کی راہ
یا غیر سے بھی خوش تھے کہ تیرا تو دوست ہی

ڈرتا ہوں آفتاب سے اب میں کہ تو نہو
بچیے صبا سے بھی کہ کہیں تری بو نہو
یہ آرزو ہی اب کہ تری آرزو نہو
یا اب یہ ڈر ہی راہ میں تو رو برو نہو
یا اب خفا ہوں اُس سے جو تیرا عدو نہو

جب تک کہ تم رقیب سے ملنا نہ چھوڑ دو
ملجائے تم سے شیفتہ ایسا کبھو نہو

کچھ پیچ و تاب دل کا جبیں پر اثر نہو
سامان عیش جمع مگر ہمکو اجتناب

اتنا تو حوصلہ ہو اگر بیشتر نہو
کیا کیجئے جو حکم قضا و قدر نہو

اُن کو وہ لاف مہر و وفا ہو کہ کیا کہوں
ہمکو گر اہتمام تلاشِ خبر نہو

ناصح جو کام ترکِ وفا سے لیا تو کیا
جو بات عیب کی ہی وہ ہرگز ہنر نہو

ہم وہ نہیں کہ اُس کو بھی رکھیں حساب میں
جس آہ کا کہ چرخ منہم تک گذر نہو

کیا تاب ہی کہ تابِ مژگاں ہو جلوہ گر
جس قطرۂ سرشک میں لختِ جگر نہو

امیدوار جلوۂ معنیٰ غلط نہیں
جو نکتہ فہم محوِ نقوش و صُور نہو

ہر چند مجھ سے نے سبب آزردہ ہی مگر
ڈرتا ہوں میں منانے سے آزردہ تر نہو

ہیں آنے والے شیفتہ کچھ دوست اور بھی
مطرب کو حکم ہو کہ ابھی نغمہ گر نہو

جب تک وہ مہر جلوہ یہاں جلوہ گر نہو
لاکھ آفتاب سے شبِ ہجراں سحر نہو

کیا مانگتے ہو جان بہت لوگ دے چکے
وہ بات ہم سے کہیئے کہ حدِّ بشر نہو

کسکو کیا پسند نہ کیونکر کروں پسند
مجھکو نظر نہو جو غرورِ نظر نہو

یہ شوخ ہر نہ ہو تا زہ بہت منفعل کرے
دربان تیرے دوست ہمارا اگر نہو

میخانے میں رہو کہ نہ دیکھو گے عمر بھر
وہ شام جس پہ تیرِ فیضِ سحر نہو

آئینِ نازکینہ و رسمِ ادا ستم
معشوقہ کے ہنر ہے جو بیدادگر نہو

یاروں کو رنج ہو یہ گوارا نہیں مجھے
ایسی جگہ مروں کہ کسیکو خبر نہو

اُن کا لگاؤ اور بھی کرتا ہے بیقرار
وہاں کچھ نہ ہو تو جوش یہاں اسقدر نہ ہو

وہ نالہ چاہتے ہیں کہ برہم کرے جہاں
لیکن یہ شرط ہے کہ ہمیں کچھ اثر نہ ہو

اُڑتی سی شیفتہ کی خبر کچھ سُنی ہے آج
لیکن خدا کرے یہ خبر معتبر نہ ہو

نفس سرکش کی کسی طرح سے رعونت کم ہو
چاہتا ہوں وہ صنم جس میں محبت کم ہو

کیا عجب دود رہو آتش سے حرارت لیکن
ہے عجب اُنکی اگر دل سے شرارت کم ہو

منع کی حرص پہ انسان ہوا ہے مجبول
ناصح دوست اگر ہو تو نصیحت کم ہو

جان پُر شعلہ فارغ ہو جو تم کو دیکھے
دل بے وسوسہ کو تم سے فراغت کم ہو

شمع رویوں سے بڑھا ربط بڑھی ظلمت دل
ورنہ جتنا کہ سوا نور ہو ظلمت کم ہو

از عشق کی افسانے جو سُن رکھے ہیں
حکم عشاق کو ہے یہ کہ محبت کم ہو

ہم نے دیکھا ہے وہ صیقل کدہ اللہ اللہ
کہ جہاں آئینہ دل سے کدورت کم ہو

نغمہ پُر درد ہے شورش سے آفت معلوم
بادہ پُر زور ہے کیا نشہ کی شدت کم ہو

شیفتہ کیسی ہی معنی ہوں مگر نامقبول
اگر اسلوب عبارت میں متانت کم ہو

اُٹھ صبح ہوئی مرغ چمن نغمہ سرا دیکھ
نور سحر و حُسن گل و لطف ہوا دیکھ

دو چار فرشتوں پہ بلا آئے گی ناحق
منت سے مناتی ہیں مجھے میں نہیں منتا
گر بوالہوسی یوں تجھے باور نہیں آتی
عاشق بھی سہی پر کوئی فرہاد سا ہوگا
اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت

ای غیرت ناہید نہو نغمہ سرا دیکھ
اوضاع ملک دیکھ اور اطوار گدا دیکھ
ایک مرتبہ اغیار کے قابو میں تو آ دیکھ
کاشانۂ دشمن میں نہو جلوہ نما دیکھ
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

ایک دم کے نہ ملنے پہ نہیں ملتے ہیں مجھ سے
اے **شیفتہ** یاوسی امید فزا دیکھ

کہوں میں کیا کہ کیا درد نہاں ہی
شکایت کی بھی اب طاقت کہاں ہی
نشانِ پائے غیر اس آستاں پہ
اجل نے کی ہی کس دم مہربانی
تجھے بھی مل گیا ہے کوئی تجھ سا
یہ کس گلرو کا عالم یاد آیا
ہوئی بیتابیٔ بلبل مؤثر
سحر ان کو ارادہ ہے سفر کا

تمہارے پوچھنے ہی سے عیاں ہی
نگاہِ حسرت آہ ناتواں ہے
نہیں ہی میرے مرقد کا نشاں ہی
کہ جب پہلو میں وہ نامہرباں ہے
اب آئینہ سے وہ صحبت کہاں ہی
دمِ سرد اک نسیم بوستاں ہی
کہ گھبرایا ہوا کچھ باغباں ہی
قیامت آنے میں شب درمیاں ہی

کوئی یہاں لاؤ اُس عیسےٰ نفس کو
کہ مرتا شیفتہ نام اک جواں ہے

یاد آئے گی جو عطر فشاں اُسکی کو تُجھے
لیجائے گی بہشت میں گلشن کی بو مجھے

اے چرخ تیری دوریں انصاف ہے یہی
وصلِ صنم عدو کو ہو رشکِ عدو مجھے

رحم اے ہجوم شوق کہ سنبل سے باغ میں
یاد آئیگا وہ طرۂ تابیدہ مو مجھے

دشمن کٹے جو شکر کے سجدے سے وقت قتل
شاید کہ آبِ تیغ سے ہوگا وضو مجھے

تا صبح حشر بخت مرے جاگتے رہیں
اک بار صبح آکے جگائے جو تو مجھے

تشبیہ تیری زلف سے دی ہو نہ غیر نے
سنبل سے عطر فتنہ کی آتی ہے بو مجھے

تابِ وصال اُس سمن اندام کو کہاں
بس بس نہ چھیڑ اے خلشِ آرزو مجھے

جاتا ہوں کوے غیر میں صحرا کے بدلے میں
دیوانگی میں بھی ہے تری جستجو مجھے

وہ مانعِ تپش ہے نہیں شوق اضطراب
بھاتی نہیں ہے شیفتہ ایسی بھی خو مجھے

اگلے رشک اُنکو یاد آنے لگے
ہم جو غیروں کے گھر میں جانے لگے

کچھ بناوٹ سے تو نہیں یہ غش
تم مجھے عطر کیوں سُنگھانے لگے

میرے داغوں کا ذکر کرتے ہیں
یار ے غیروں کو بھی جلانے لگے

تلخ کامی کی گر کہیں لذت — چرخ غالب کہ زہر کھانے لگے

میرے رونے میں تو نہیں تاثیر — غیر پھر اشک کیوں بہانے لگے

غیر سے کب ہوا ہے ترک کلام — باتیں تم ہم سے بھی بنانے لگے

ق

ہم جو تحریک ناتوانی سے — قصہ ہائے ستم سنانے لگے

ہنسکے کہنے لگے کہ ہاں سچ ہے — تم مرے ناز کیوں اٹھانے لگے

وہ غزل ہم نے شیفتہ لکھی
جس کو زہرہ بھی سن کے گانے لگے

اور الفت بڑھ گئی اب اس ستم ایجاد سے — اک نئی لذت جو پائی دل نے ہر بیداد سے

غیر کو اندوہِ فرقت اب مبارک ہو کہ یہاں — دھیان جاتا ہی نہیں اسکا دلِ ناشاد سے

عشق میں یہ مرحلہ بھی پیش آتا ہے ضرور — کس کو امید اثر ہے نالہ و فریاد سے

مجھ سے کیا کیا شاد ہوگی روحِ قیس کوہکن — پھر نظر آتے ہیں کوہ و دشت کچھ آباد سے

ہائے وہ قیدی ہیں عدو کے بس یہی تدبیر ہے — جائیں اسکے پاس نالاں ہوکے بیداد سے

تنگ ہے آزادی پہ ایسے اسیروں کی مجھے — چھوٹ گئی جو جان دیکھے کچھ صیاد سے

ڈوبنے کی جگہ ہے ساحتِ ہجر میں — رہ تو دیتا ہوں احبا کی مبارکباد سے

وہ قتیلِ تیغ ہے ہیں شیفتہ ابروے یار — بار بیجا مجھکو نسبت دیتے ہیں فرہاد سے

چھیڑتے کیوں ہو مجھے جانے دو ان باتوں کو بس
تم بھلا جاتے رہو گے شیفتہ کی یاد سے

پھر محرک ستم شعاری ہے — پھر انھیں جستجو ہماری ہے
پھر وہی داغ و دل سے صحبت گرم — پھر وہی چشم و شعلہ باری ہے
پھر وہی جوشِ نالہ و فریاد — پھر وہی شور آہ و زاری ہے
پھر خیالِ نگاہ کافر ہے — پھر تمنائے زخم کاری ہے
پھر وہاں طرزِ دلنوازی ہے — پھر یہاں رسم جاں نثاری ہے
پھر وہی بیقراریٔ تسکیں — وہی تسکینِ بیقراری ہے
پھر جفا وہاں وفا ہوئی پھر یہاں — نا امیدی امیدواری ہے
جب کے جور و ستم بھی یاد نہ تھے — پھر ہمیں اُسکی یادگاری ہے
پھر ہمیں کام کچھ نہیں تم سے — پھر وہی وضع گرفتاری ہے

شیفتہ پھر ہو ننگ عزت سے
پھر وہی ہم ہیں اور خواری ہے

وہاں پہنچنے کی منت دمِ صبا پر ہے — کہ شوق سے مرے خط کے لیے ہوا پر ہے
عدو کو آگے مرے مسکرا کے ذبح نہ کر — کہ میری مرگ بھی موقوف اسی ادا پر ہے

مرض ہو جس کے سبب سے غضب ہے وہ یہ کہے
جئے جئے نہ جئے زور کیا قضا پر ہے

رقیب کہتے ہیں اس جور پہ تباہ ہیں ہو
قیامت آئی کہ تشنیع اب وفا پر ہے

خفا ہوئے ہیں عدو اپنی ہی بری خو سے
تجھے گمان بد ای بدگماں حیا پر ہے

خیال تھے اثر جذب دل سے کیا کیا آج
ہزار خون ہوس گردن حنا پر ہے

رقیب سے ہی جفای حبیب کا شکوہ
تو آپ شیفتہ اے شیفتہ جفا پر ہے
25

فصل گل ہے میکدہ کا ساز و ساماں چاہیے
تو بہ زر ولیدہ زیب طاق نسیاں چاہیے

محو لیلی ہے یہ مجنوں چارہ سازوں سے کہو
اس کے رہنے کے لیے یوسف کا زنداں چاہیے

کشمکش اس جیب سے دست جنوں بیفائدہ
غیر کا زور آزمائی کو گریباں چاہیے

نرگستاں چاہیے نی چاہیے سنبل کدہ
چشم فتاں چاہیے زلف پریشاں چاہیے

جائے سبزہ سبزہ خط قد موزوں جائے سرو
یہ گلستاں ہو تو ہاں سیر گلستاں چاہیے

شاہد ان دلربا اتنی نہیں دشوار جو
صرف انکو مال و جان ناموس و ایماں چاہیے

ہر غزل اپنی بیاض چشم آہو پر لکھو
جیسے دیوانے ہیں ہم ایسا ہی دیواں چاہیے

نغمہ ہائے گلفشاں کو سمجھیں کیا زاغ و زغن
داد دینے کو مری مرغ خوش الحاں چاہیے

گرد کلفت خاک صحرا دشنۂ غم نوک خار
تیرے وحشی کے لیے ایسا بیاباں چاہیے

جان دی ہی ہم نے درد ہجر گلزار میں
نعش کے ہمراہ بلبل مرثیہ خواں چاہیے

اگر ایسے وقت کم آتے ہیں ارباب خلل
مے کشی کا شغل وقت ابر و باراں چاہیے

جس روش میں ہیں کی خواہش خواہ نیک و خواہ بد
انہیں جد و جہد تا سرحد امکاں چاہیے

گر سلوک راہ حق پیشہ ہی اے روحی فداک
جذبۂ اندازہ وسعی فراواں چاہیے

باہم پر شریفوں سے قناعت ننگ ہی
بایزیدی زہد ہو شبلی کا عرفاں چاہیے

جسم سے ہو معنی روح مجرد آشکار
لفظ سے ہو صورت معنی نمایاں چاہیے

اور اگر شیوہ معاذ اللہ رندی کا ہوا
کام ناقص ہی مگر کب اسمیں نقصاں چاہیے

نغمے کا گذر ہو پردہ گاہ زہرہ تک
ہو حضوری کا اثر تا بام کیواں چاہیے

آبرو رونے سے ہی پہ فخر یکتائی نہیں
شیفتہ مژگاں تر خونابہ افشاں چاہیے

کیونکر مجھے خط رقم کریں گے
کیا عجز کا سر قلم کریں گے

ہم پیشہ ہی اضطراب و شوخی
کس واسطے مجھ سے رم کریں گے

اتنی بھی بڑی ہے بیقراری
اب آپ سے انس کم کریں گے

جوش وحشت میں اسے پری رو
بس تیرا ہی نام دم کریں گے

نوبت ہی تو سب امور میں ہو
اب عجز پہ وہ ستم کریں گے

مرنے کا میرے نہ ذکر کرنا
آرام کی فکر اب ہوئی ہے

قاصد وہ بہت الم کریں گے
تم سے نہ ہوا وہ ہم کریں گے

دلّی میں تو شیفتہ ہی اُستاد
ہم قصد سوے عجم کریں گے

دن سے یہاں آنے کی تدبیر ہے
جو کہ ہوا محو تجلّیِ ذات
واہ شہا جلوہ حیرت ادا
وجہ توقف اجلِ جاں فزا
چھوڑ دے وہ تو بھی میں کیونکہ چھوڑوں
کھیل ہی کچھ ہے کہ دکھادوں تجھیں
غیر پہ پڑتی ہیں خدنگِ نگاہ
خط کے نہ لکھنے کا لکھوں کیا گلہ
کیا کہوں احباب کی آہن دلی
غیر بھی کیوں تم سے تباہیں گے گر
نغمہ سرا کون سا یاد آگیا

کیا اثرِ نالہ شبگیر ہے
خاکِ در اُس شخص کی اکسیر ہے
آئینہ عشّاق کی تصویر ہے
قتل میں اغیار کے تاخیر ہے
کشمکشِ زلف گرہ گیر ہے
فرض کیا آہ میں تاثیر ہے
سینہ میں میرے خلش تیر ہے
خامہ مدد کر دمِ تحریر ہے
پاؤں میں فولاد کی زنجیر ہے
جرم وفا قابلِ تعذیر ہے
نالہ میں آواز بم وزیر ہے

۹۱

ہم سے وہ ناحق جو خفا ہو گئے
شیفتہ کچھ اپنی ہی تقصیر ہے
۲۸

کہا کہ تنگ ہوں اتنی بھی بدگمانی سے
کہا جو ڈر ہی مجھے ایسی مہربانی سے

یہی ہی شکر کہ دل کی نظر تو روشن ہی
نظر تو خیرہ ہوئی برق لن ترانی سے

ہزار باتیں بناؤ ملے ہو غیر سے تم
نشان ہمکو ملا گم ہوئی نشانی سے

محبت اس خفگی سے عیاں ہوئی گلرو
کہ رنگِ لطف ٹپکتا ہی بدگمانی سے

میں سادگی سے بیاں کر رہا ہوں وصفِ دہن
وہ ہونٹ کاٹتے ہیں اپنی نکتہ دانی سے

سوائے پیر مغاں اور ظرف کس کا ہی
کہ بہرہ ور ہو گدا جام دوستگانی سے

ثنا طلب ہی عجب کاریِ دلِ بیتاب
کہ دل گرفتہ ہی دلدار دلستانی سے

کسی کی نرگس میگوں نے کھو دیئے ہیں ہوش
یہ بیخودی نہیں صہبا ارغوانی سے

بھڑک گئی نم شبنم سے اور آتشِ گل
یہ کیسی آگ ہی دونی ہوئی جو پانی سے

یہ ہی نصیحت پیراں کار اُفتادہ
کہ یہ بلا ہی جوانی ڈرو جوانی سے

وہاں تو شیفتہ مطلوب ہی خوش افشانی
نہ نکتہ دانی سے کچھ ہو نہ خوش بیانی سے
۲۹

شب ہم نے لیے خواب میں زنجیر کے بوسے
دیں گے وہ مگر زلف گرہگیر کے بوسے

اللہ رے کافر کی نزاکت کہ اُڑا رنگ
ہم نے جو لیے رات کو تصویر کے بوسے

اس جرم سے قاتل نے لہو اُس کو چٹایا
بسمل نے لئے تھے لبِ شمشیر کے بوسے

بسنہ فق مری جانب وہ چلے آتے ہیں گویا
نالہ نے لیے شب رخِ تاثیر کے بوسے

وہ چومتے ہیں ہاتھ اُدھر اور اِدھر میں
سوفار کی لیتا ہوں جگر چیر کے بوسے

دل نبیشترِ رشک سے ہوتا ہی مشبک
زنبور نہ لے اُس ہدفِ تیر کے بوسے

نامہ کو مرے یار نے آنکھوں سے لگایا
ملجائے تو لوں نامۂ تقدیر کے بوسے

کرتا ہوں جو تعریف میں اُس تنگ دہن کی
لیتے ہیں مرے لب مری تقریر کے بوسے

یوں خاک نہ کرتا اگر اُس لب کے نہ لیتے
ہم شیفتہ آگے فلکِ پیر کے بوسے

دشمن ہمارا کون نہیں تیرے واسطے
دیتے ہیں ہم ہر چارہ گزیں تیرے واسطے

انصاف کر کہ چرخ کو کیا مجھ سے کام تھا
ساری اذیتیں مجھے دیں تیرے واسطے

افغان دلخراش سے تو ہی جو بیقرار
اپنی سی آپ ہمکو ہی کیں تیرے واسطے

تو کیا ہم آپ کہتے ہیں ہم نے بُرا کیا
سب کی بُرائیاں جو سہیں تیرے واسطے

جب لب کے غیر بوسے لیں اُس لب سے شیفتہ
کمبخت گالیاں بھی سہیں تیرے واسطے

عشق ذلت ہی تو ذلت ہی سہی
میری ذلت تیری عزت ہی سہی

میرے آزار کی تہمت ہی سہی
تمکو الفت ہی تو الفت ہی سہی

نہ لکھو نامہ نہ بھیجو پیغام
عشق کی آپسے نسبت ہی سہی

ہمکو بھی شوق ہے نظارے کا
دیکھنے کی تری عادت ہی سہی

خاک ہونے پہ مرے دھیان تو ہی
نہ سہی لطف کدورت ہی سہی

دیکھنا غیر کا موقوف تو ہے
قتل کی میرے ندامت ہی سہی

ہم نے بھی طرز صبا سیکھی ہے
تیری لگ چلنے کی خصلت ہی سہی

سب فسانے کا نہیں ہی جو دماغ
ایک چھوٹی سی حکایت ہی سہی

ناشکیبی کی دعا مانگیں گے
صبر کی ہمکو ضرورت ہی سہی

ہجر تو جائے جو ہو جائے وصال
وصل ممکن نہیں فرقت ہی سہی

از دحام غم و رشک و حرماں
پھر بھی فرصت ہی تو فرصت ہی سہی

بخت ناساز کا ہوں شکوہ سرا
اُنکے پردے میں شکایت ہی سہی

تجھے اغیار سے ملنا موقوف
تجھکو الفت نہیں غیرت ہی سہی

وصل اغیار سے ملنے وجہ نہیں
میرے مرجانے کی عبرت ہی سہی

دعویٔ الفت و بیتابی حیف
گر اذیت ہی اذیت ہی سہی

میری خاطر سے چلو شیفتہ واں
غیر اُن سے تمھیں نفرت ہی سہی
32

مجھ تازہ گرفتار نے فریاد زبس کی
جاں اُڑ گئی بس کہ نہ اسیرانِ قفس کی

پھر شکل نظر آئی مجھے دام و قفس کی
پھر دل ہے مرے طرۂ خوش خم کی ہوس کی

ہی رحم تو اُس عجز و بیتاب پہ لیلے
جو اپنے ہی نالہ کو کہے بانگ جرس کی

نیرنگ ہی کیا سبزۂ خط شمع رخوں کی
یعنی ہی منافات بہم شعلہ و خس کی

غیروں سے اُسے بات نہ کرنے دوں میں لیکن
یہ بات نہیں ای مرے ہمدم مرے بس کی

خود چاک کروں جامۂ اعدا کہ نہیں چاک
جی میں ہی کہ لوں چٹکیاں اربابِ ہوس کی

ای شیفتہ اس فن میں ہوں اک پیرِ طریقت
گو عمر ہی میری ابھی اکیس[21] برس کی
33

دستِ عدو سے شب جو وہ ساغر لیا کیے
کن حسرتوں سے خون ہم اپنا پیا کیے

شکلِ ستم نے اور بھی مایوس کر دیا
اس بات کا وہ غیر سے شکوہ کیا کیے

کب دل کے چاک کرنے کی فرصت نہیں ملی
تا صبح ہمیشہ چاک گریباں سیا کیے

تشبیہ دیتے ہیں لبِ جاں بخش یار سے
ہم مرتے مرتے نام مسیحا لیا کیے

ذکرِ وصال ہجر و شب ماہ و بادہ سے
ایسے لئے گئے ہمیں طعنے دیا کیے

تھی لحظہ لحظہ ہجر میں اک مرگ نو نصیب
ہر دم خیال لب سے ترے ہم جیا کئے

طرزِ سخن کہے وہ مسلم ہی شیفتہ
دعوے زبان سے نہ کئے ہیں لئے یا کئے
34

اُس کا دل گرم مرے جلنے سے پگھل جاتا ہی
بل ابھی شمع کے رشتہ کا نکل جاتا ہی

رشک سے رنگ میں تغیر جو پائی تو کہا
مجھ سے ڈرتا ہوں کہ تو دم میں بدل جاتا ہی

بھیجکر کسکو بلاؤں شب غم میں کہ کوئی
لاکھ خاطر ہو پہ کب سوئے اجل جاتا ہی

صدقے اس خوش حرکاتی کے سحر چھیڑنے کو
شب کو سوتے ہیں مجھے عطر وہ مل جاتا ہی

میں تو وہ گرم رو آہ طلب ہوں کہ اگر
وہاں بلائے تو لب بام ابھی پھسل جاتا ہی

ہجر میں وصل اجل کا کوئی جاتا ہی خیال
چارہ گر جان ہی بسکہ یہ خلل جاتا ہی

ہنستے ہنستے جو کروٹ تری یاد آتی ہی
اشک گرتے ہوئے آنکھوں سے سنبھل جاتا ہی

شیفتہ بسکہ ہوں میں سرو قدوں کا کشتہ
نخل جو گور پہ اُگتا ہی سو جل جاتا ہی
35

گلے پہ میرے دشمن کی وہ شمشیر پھرتی ہی
نہ یہاں تدبیر چلتی ہی نہ وہاں تقدیر پھرتی ہی

تیری جو گردہ پھرا لے تجھکو دیکھکر جاتا
کہ میری آنکھ کے آگے تیری تصویر پھرتی ہی

نہ کرنا غیر کے گھر کا ارادہ تم کہ مدت سے
تجسس میں فغان شوق کی تاثیر پھرتی ہی

نہیں نخچیر تیرے صید گہ میں ای شکار افگن
مشکل آرزوئے خاطر نخچیر پھرتی ہی

تیرے گھر سے سیر گھر کا ہی انکو قصد ای دشمن
تری تقدیر پھرتی ہی مری تقدیر پھرتی ہی

گھٹا چھائی ہی لالہ کھل رہا ہی صبح ہی ہی
عنان عزم کیوں گلشن سے بے تاخیر پھرتی ہی

نگاہ دلربائی یار طبع بو الہوس دیکھی
کہ آپ ہی آپ سے تقریب بے تقصیر پھرتی ہی

نرالی سب سے ہی اپنی روش ای شیفتہ لیکن
کبھی بلبل سے ہوائی شیوہ ہائے تیر پھرتی ہی

ادھر مائل کہاں وہ مہ جبیں ہے
فلک کو مجھ سے کیوں پرخاش و کیں ہے

نہ دیکھا اپنے بسمل کا تماشا
قریب آکر وہ کتنا دور بیں ہے

یہ اچھا ہے تو اچھا غیر کو بھی
ستاؤ اور پوچھو کیوں غمیں ہے

ہمیں صورت دکھائے کیا تمنا
کہ عاشق جس کے پاس پردہ نشیں ہے

یہ مجھ سے شکوہ ہی اللہ رے شوخی
کہ میرے غم سے تو اندوہ گیں ہے

یہ کیسا تفرقہ ہجراں نے ڈالا
کہیں کیا ہم کہیں ہیں دل کہیں ہے

نہ پوچھو شیفتہ کا حال صاحب
یہ حالت ہی کہ اپنے میں نہیں ہے

لطف اوروں پہ رہے ہمکو ستم بھی بس ہی
نہ سہی وہ بھی ہمیشہ کوئی دم بھی بس ہی

بزمِ دنیا میں ہی وہ شخص کو کب عیش نصیب
سو تجھی کو رہے مجھکو تو یہ غم بھی بس ہی

دسترس بوسۂ پا کی جو نہیں ہی نہ سہی
اپنے سجدے کے لیے نقشِ قدم بھی بس ہی

سجدہ دو بیت ہوا عشق کا حسرت یعنی
اور لوگوں کے لیے دیر و حرم بھی بس ہی

غیر پہ چاہیے ای چرخ تجھے کرنا جور
مجھ سے ناکام کو تو بخت دژم بھی بس ہی

دولتِ وصل سے کیا کام ہی ہم ساکوں کو
نازِ خسرو کے لیے خیل و حشم بھی بس ہی

کی تمنا سے کرم ہیں سنے تو فرماتے ہیں
شیفتہ تیرے لیے جور و ستم بھی بس ہی

سجدے کے کسی در پہ تمنا نہیں رکھتے
گردن پہ پرِ ناصیہ فرسا نہیں رکھتے

اس کوچے میں ای نکہتِ گل جلوہ عبث ہی
ہم کچھ ہوسِ سیر و تماشا نہیں رکھتے

ہر چند کہ ہی آپ سے ملنے کی تمنا
پر آپ سے ملنے کی تمنا نہیں رکھتے

دشوار نہیں رفعِ حجاب آپ سے لیکن
مطبوع ہم اندازِ زلیخا نہیں رکھتے

یوں چارہ گری غیر کی ہوتی ہی کہ گویا
ہم جانِ حزین و دلِ شیدا نہیں رکھتے

مطلب ہے معشوق سے ناصح کو نہیں اور
ہم دیدۂ بینا دلِ دانا نہیں رکھتے

کس لطف سے وہ لطف سے فارغ ہیں کہ عشاق
تابِ نگہِ حوصلہ فرسا نہیں رکھتے

دشمن سے ملاقات کی ٹھہری ہی کہ بے وجہ
وہ سرچہ پہ پندِ گھر آنا نہیں رکھتے

اے **شیفتہ** ہم جب سے کہ آئے ہیں حرم سے
شوقِ صنم و خواہشِ صہبا نہیں رکھتے
39

خندہ زن ہیں دوست میرے دیدۂ پرآب سے
بخت دشمن کو جگائیں میرے نالے خواب سے

وصل کی شب میں نئی باتوں سے ہم واقف ہوے
شعلۂ خس ہی نہایت دیرپا مہتاب سے

میں لہو روتا ہوں ناحق ان کا دامن دیکھکر
اُن کا دامن بھر گیا ہی میرے ہی خونناب سے

میں وہ میکش ہوں اگر بیخود بھی ہو جاؤں کبھی
ہوش آتا ہی مجھے بوے شرابِ ناب سے

گرم خو دیکھا تو کر دیتی ہیں سب کو بیقرار
دلکو راحت ہو گئی بیتابیِ سیماب سے

جسکو سمجھا آشنا نکلا غرض کا آشنا
دل ہی افسردہ نہایت گرمیِ احباب سے

ضد تو دیکھو تشنہ کام شوق مجھکو جان کر
قتل کرتا ہی ستمگر خنجرِ بے آب سے

فرش مخمل پر تھے وہ ہمخوابِ دشمن خواب میں
رونگٹے میرے کھڑے ہو جاتے ہیں نامِ خواب سے

کسکی زلفِ خم بخم پھر لے گئی تاب و قرار
شیفتہ پھر کچھ نظر آتے ہو تم بیتاب سے
40

رقیبِ بوالہوس کا منہ ہی لطفِ جور کو دیکھے
وہ اپنی وضع کو دیکھے ہمارے طور کو دیکھے

پریوش بھی ہیں شیدائی کے شیدا ناصحو دیکھو
بھلا کب دیکھ سکتے ہیں کہ عاشق اور کو دیکھے

نظر سے فتنہ کی گردش سے گردوں کی بچا وہ ہی
جو چشمِ مست کو ساقی کی مے کے دور کو دیکھے

صفائی غیر سے کیجے گلہ میں نہیں تم سے — کوئی کیا خاک خوش ہو جب کسی بد طور کو دیکھے

ستم سے شیفتہ اب مطلع پا بوس کرتے ہیں
وہ اپنی تاب کو دیکھے ہمارے جور کو دیکھے

پھر نصیحت کی کسکو تاب رہے — جو یہی دلکو اضطراب رہے
جب خطائے نکردہ ثابت ہو — عقل کیا پھر صواب رہے
بوئے گل کام کر چکی اپنا — دختر رز نہ نقاب رہے
ملگیا دوست منتخب پھر کیوں — شعر کا شوق انتخاب رہے
واہ رندی و میکشی کہ یہاں — عمر بھر عالم شباب رہے
جب پڑی لذّت ہم آغوشی — پھر بغل میں کہاں کتاب رہے
نا نہ غافل ہو انجمن ساقی — دور میں ساغر حباب رہے
بزم دشمن کا عزم تھا موقوف — تھوڑی دیر اور گر حجاب رہے
ہی بڑھاپے میں خوف بدمستی — کہ جوانی میں کم خراب رہے

شیفتہ کوئی حال وارد ہو
پھر معارف سے اجتناب رہے

منہ بنائے ہوئے اس کو سے گذر کرتا ہی — اپنو لو غیر بھی دلمیں برے گھر کرتا ہی

قدغن اُس کو بھی موذن ہی مگر کرتا ہی	کیوں شبِ وصل ہیں غلِ مرغِ سحر کرتا ہی
یاد ہیں اُس دُر دنداں کی ہوا جاتا ہوں	کارِ الماس مرے حق میں گہر کرتا ہی
اُس کے ناوک کی توجہ پہ مری جان نثار	ہاتھ سے چھوٹتی ہی فصد جگر کرتا ہی
گر نہیں یہ کہ برتتا ہی وہ ظاہر داری	کیوں نگاہ غلط انداز اِدھر کرتا ہی
دلِ مضطر کی رہائی ہیں نظر رکھتا ہی	جو ترے طرۂ خوش خم پہ نظر کرتا ہی
دیکھئے آہ ہماری بھی اثر کرتی ہی	سخنِ درد سُنا ہی کہ اثر کرتا ہی
ایک دن شام ہماری بھی سحر کر دیگا	وہی جو شام کو ہر روز سحر کرتا ہی
دل کے ٹکڑے ہوے جلتے ہیں مگر مرغِ چمن	آج کچھ نالہ بالحانِ دگر کرتا ہی
آج پھر ماتمِ یوسف ہی ہر اک کوچہ میں	کارواں مصر کو کنعاں سے سفر کرتا ہی
بدگماں آپ غلط محرمِ اسرار سے ہیں	دل ہمیں راز نہانی کی خبر کرتا ہی
جان کھوتی ہو جسے مد نظر مثلِ حباب	وہی مشتاق فنا چشم کو تر کرتا ہی

شیفتہ جسکو نہیں عشق وہ اپنے نزدیک
کیا بُری طرح سے دنیا میں بسر کرتا ہی

عشق کی میرے جو شہرت ہو گئی	یار سے مجھکو ندامت ہو گئی
خاک عرضِ مدعا اُس سے کروں	جسکو باتوں میں کدورت ہو گئی

یہاں سے جانے کو ہیں وہ آ چپک کہیں ۔۔۔ کیا بلا لے ابرِ رحمت ہو گئی
اب ستم اغیار پر کرنے لگے ۔۔۔ میرے مر جانے سے عبرت ہو گئی
جلوہ معنے نظر آنے لگا ۔۔۔ پیتے پیتے مے یہ صورت ہو گئی
انکی باتیں اُس نے بھی چھپ چھپکر سُنیں ۔۔۔ آج ناصح کو نصیحت ہو گئی
منع وصلِ غیر پر ہنسکر کہا ۔۔۔ بارے اب تمکو بھی غیرت ہو گئی
بوے گل اُس گل کی بُو کے روبرو ۔۔۔ فی الحقیقت سے حقیقت ہو گئی

بس نہ فرماتے پھر وہ یہ شیفتہ
گو اُنھیں تم سے محبت ہو گئی

وہ جو اُٹھے جان رخصت ہو گئی ۔۔۔ شیفتہ یہ کیا قیامت ہو گئی
بوے یار اُس بزم میں آئی مجھے ۔۔۔ جب مجھے ساقی سے الفت ہو گئی
جلوہ بیڈھب مانعِ نظارہ ہے ۔۔۔ وصل میں تاثیر فرقت ہو گئی
نغمہ و مے سے مجھے کیا کام تھا ۔۔۔ اُن کی صحبت میں یہ آفت ہو گئی
بے سخن نسبت مع اللہ ہے اُسے ۔۔۔ قوم سے جسکو کہ نسبت ہو گئی
اب رقیب بوالہوس ہیں عشق باز ۔۔۔ دل لگانے سے بھی نفرت ہو گئی
سچ کہوں گا گو ہیں وہ دونوں آشنا ۔۔۔ ق بیشک ان سے سہو و غفلت ہو گئی

عشق نے کیا کیا خرابی ڈالی
عقل سے کیا کیا حماقت ہو گئی

شیفتہ ایک رند مشرب شخص ہے
کس سے لوگوں کو عقیدت ہو گئی
46

ملنے کا میرے اور تیرے چرچا نکریں گے
گر دوست ہیں اغیار تو رسوا نکریں گے

ملنے عذر وہ کر لیتے ہیں وعدہ یہ سمجھکر
یہ اہل مروت ہیں تقاضا نکریں گے

کب اہل حسابات کوئی راز کہیں گے
جبتک کہ نہ ہم سے ہمیں بیگانہ کریں گے

پہنچا ہوں میں ملنے کے قریب آتے ہیں دیکھو
وہ دور ہیں اب پاس عدو کا نہ کریں گے

جانتے ہو اگر غیر کے گھر ضد سے ہماری
ہم آپکے آنے کی تمنا نہ کریں گے

مسجد میں بھی آتا ہے خیال خم ابرو
ہم راست بیانی میں محابا نہ کریں گے

وہ مجھ سے نہ بولیں کبھی یہ بات نہ ہوگی
وہ غیر سے باتیں کریں ایسا نہ کریں گے

اے حور لقا کیوں نہ تمنائے جناں ہو
کیا وہاں تم سے ملنے کا ارادہ نہ کریں گے

ہم آپ پہ غش ہیں تو غش آیا یہ سخن کیا
تم آپ سے جاتے ہو ہم آیا نہ کریں گے

ہرگز بھی نہیں خاطر جاناں میں ٹھکانا
اے شیفتہ ہم دعوے بیجا نہ کریں گے
45

کیوں نہ مجھکو مرض یاس کی شدت ہو جائے
ملک الموت بھی جب بہر عیادت ہو جائے

گریۂ غیر سے وہ پھر عیادت ہو جائے / اشک شادی ہی یہ کاش اشک ندامت ہو جائے

اپنے ہی عشق کی نسبت سے ہوا شادی مرگ / کیا کروں اُسکو بھی گر مجھ سے محبت ہو جائے

اور گر کچھ نہ ہو دامانِ اجل تو کھینچوں / کاش اتنی ہی مجھے ہجر میں طاقت ہو جائے

نیم جاں ہوں وہاں قتل کا آئے جو خیال / تو یہاں اُس سے کہیں پہلے فراغت ہو جائے

سانس بھی کل تو نہ تھی آج نکلتی ہے آہ / مجھکو ڈر ہے کہیں پھر مجھکو نہ مہلت ہو جائے

ناصحو منع کرو جب تو یقیں میں مانوں / تمکو بھی گر کسی بیدرد سے الفت ہو جائے

پا کے مشرف مجھے مرنے پہ پڑے وعدے ہیں / ہے بڑا لطف اگر اب مجھے صحت ہو جائے

شیفتہ ایسی اُڑا اہلِ کدورت کی خاک
دیکھکر شیشۂ ساعت کو بھی عبرت ہو جائے

ہے ستم واقف ہو میرے حال کی تغیر سے / بوالہوس کہتے ہو پھر اک آہ نے تاثیر سے

عشق میں اک صید افگن کی ہے یہ جوش جنوں / فصد میری کھولنا جرّاح نوکِ تیر سے

چاہیے اغیار کو بھی اپنے مُنہ پر کچھ ملیں / چاہ ثابت ہوتی ہے وہاں رنگ کی تغیر سے

مر رہا ہوں درد فرقت میں نہیں دیتا کوئی / سچ اگر پوچھو تو سم بھی کم نہیں اکسیر سے

ہاتھ میں دیکھا جو تیرے قبض جاں ہونے لگی / دست دشمن کم نہیں کچھ قبضہ شمشیر سے

عشق کا سودا نہیں جاتا ہے بعد از مرگ بھی / دیکھ لو وحشت ہے ظاہر قیس کی تصویر سے

کیا غضب ہیں وہ بھی پڑھوایا عدو سے خط میرا
وصل میں روتے تو شاید کچھ اثر ہوتا اُسے

تھی جو آگاہی شکایت اُنھیں تحریر سے
کیا شبِ غم میں حصول اس آہِ بے تاثیر سے

ننگ ہمائی دشمن بھی کیا ہم نے قبول
شیفتہ لیکن نہ آئے وہ کسی تدبیر سے

کیا ذکر اُس کے آگے مری آہ کا چلے
جس گل کی شمع بزم سے بجھکر صبا چلے

یوں بعد ذبح چھوڑ تڑپتا ہوا چلے
قربان ایسے آنے کے کیا آئے کیا چلے

ناصح تری زبان ترے بس میں جب نہ ہو
انصاف کر کہ دل پہ مرا زور کیا چلے

محروم ہوں رقیب بھی جلوے سے یار کے
بجھ جائے شمع بزم میں ایسی ہوا چلے

اللہ کیا غرور ہے تمکو کہ بزم سے
ہم کتنے جلد اُٹھے پہ اتنا کہا چلے

بیشوق وصل ہی کہ اگر پاؤں ٹوٹ جائیں
اُنکی گلی کی سمت مرا نقشِ پا چلے

مانا کہ جلد آ گئے پر اس کا کیا علاج
پہلو سے اُٹھتے ہی جو مزاجی بھا چلے

کیوں روکتا ہے اسمیں ضرر کیا ہے ساربان
دیوانہ ایک گرد پسِ محمل لگا چلے

افسوس اُس نے کچھ نہ کہا سن کے حالِ دل
ہم قصہ خواں کی طرح فسانہ سنا چلے

دیکھا جو شمع بس مجھے کچھ رحم آگیا
گو زہر دینے آئے تھے شربت پلا چلے

وعدہ عدو کا آپ کی تکرار سے کھلا
میں نے تو یہ نہیں کہا تھا کہ کیا آئے کیا چلے

یہ غم اگر نہیں کہ نہ آیا وہ بیوفا — روتے مرے جنازہ پہ کیوں اقربا چلے

وہ گل کہیں جو جائے تو کیونکہ ملے سراغ — مانند گرد جس کی جلو میں صبا چلے

گرمی کے عذر سے انھیں جانیکا قصد ہے — اے آہ سرد رحم کہ ٹھنڈی ہوا چلے

کیسا ہی غم رسیدہ ہو یہاں آکے شاد ہو — اک ہم تمھارے پاس خوش آے خفا چلے

تھی کب سے مرگ حسرت دیدار میں نزاع — وہ آکے ایک لمحہ میں جھگڑا مٹا چلے

جلدی ہی کیا ٹھکانا بھی پیدا کریں کہیں — آخر تری گلی سے تو اے بیوفا چلے

کیا پیش آئے دیکھئے وہاں جاکے دوستو — کہدو کہ پیچھے پیچھے مرے رہنما چلے

اے جان لب پہ آکے ٹھہرنے سے فائدہ — رہنا ہوا تو رہگئے چلتا ہوا سے چلے

کس کس سے آپ میں بگڑ گئی کچھ یہ بھی دھیان تھا
چاہیں تو آپ شیفتہ اُن سے بنا چلے

ظالم کبھی تو داد دل و چشم تر ملے — سینہ سے سینہ اور نظر سے نظر ملے

نے صرفہ ہی مشقت تحریر و صرف زر — رستہ ہی میں ہمیشہ ہمیں نامہ بر ملے

ہے دشمنوں سے انکو ملاقات ابر و کشت — ملتے ہیں ہم سے جیسے کہ خس سے شرر ملے

کیا پوچھتے ہو لطف کروں تجھپہ کسقدر — اذن غرور و ناز تمھیں جسقدر ملے

ہم خوب جانتے ہیں تمھارے بگاڑ کو — غیروں سے لڑکے ہم سے بھی تم بیشتر ملے

نیرنگ عشق دیکھ کہ منظور ہی او نہیں — گلگونہ میں چکیدہ مژگان تر ملے
محفل طرازیوں کے مزے سب دکھاؤنگا — وہ اتفاق سے کہیں تنہا اگر ملے
اب ہی اُنھیں تلاش ہماری تو فائدہ — وہ وقت بھی گیا کہ ہمارا اثر ملے
کھائے تلاش کوچہ جاناں میں سو فریب — سبزہ جہاں ملا ہمیں یہ سمجھا خضر ملے
ظالم تبسم نمکیں میں نہ کر دریغ — آخر ذرا تو لذت زخم جگر ملے

وہ شیفتہ کہ دھوم ہی حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کسکے گھر ملے
49

ابر دریوزہ گر آب ہو اشک تر ہمسے — برق بھی مانگ کے لیجاتی ہی اخگر ہمسے
صلح کل اپنی تو دانست میں ہمیں ہی — وہ ہوئے صاف تو ہی غیر مکدر ہمسے
ناصحو ساری نصیحت حسد و رشک سے ہی — ترک ہوتا ہی کوئی جنبش مقدر ہمسے
گردن غیر پہ چلتے نہیں دیکھا ہرگز — پیار رکھتے ہیں مگر دشنہ و خنجر ہمسے

شیفتہ سادہ بیانی نے ہمیں چمکایا
ورنہ صنعت میں بہت لوگ ہیں بہتر ہمسے
50

دل لیا جس نے بیوفائی کی — رسم ہی کیا یہ دلربائی کی
تذکرہ صلح کا کرو نہ کرو — بات اچھی نہیں لڑائی کی

تمکو اندیشۂ گرفتاری — یہاں توقع نہیں رہائی کی

وصل میں کس طرح ہوں شادی مرگ — مجھکو طاقت نہیں جدائی کی

دل نہ دینے کا ہمکو دعوی ہے — کسکو ہے لاف دلربائی کی

ایک دن تیرے گھر میں آتا ہے — بخت و طالع نے گر رسائی کی

دل لگایا تو ناصحوں کو کیا — بات تھا اپنے جی میں آئی کی

شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر — ق — دینداری و پارسائی کی

آخر کار مے پرست ہوا — شان ہے اُس کی کبریائی کی

اپنی شوخی کی بھی خبر کچھ ہے — زلزلہ آسمان پر کچھ ہے

نالۂ نیم شب کے زور تو دیکھئے — تجھ میں بھی دم دمِ سحر کچھ ہے

راز پوشیدہ پوچھئے کس سے — بے خبر ہے جسے خبر کچھ ہے

نالہ سنتے نہیں تو بات سنو — خوب باتوں میں بھی اثر کچھ ہے

عشق کے اب کہاں وہ ہنگامے — دردِ دل سوزشِ جگر کچھ ہے

حُسن کیا عرضِ جلوہ کرتا ہے — شہر میں شورِ الحذر کچھ ہے

اُس کے تیرنگ سے ٹپکتا ہے — کہ عدم سے بھی بیشتر کچھ ہے

کھوٹی باتیں ہیں اور پہلو دار — ہاں ترے دل میں سیمبر کچھ ہے

عشق میں ساری خوبیاں ہیں جمع
رم بہت اُنس کم ہی طینت میں
دوست یوں ان لکا د پڑھتے ہیں
برق ہی روزگار خندۂ گل

اک مگر جان کا ضرر کچھ ہے
وہ بہت ہی پری بشر کچھ ہے
کہ میری سمت اُسے نظر کچھ ہے
ناز یہ فرصت اسقدر کچھ ہے

شیفتہ بھی ہی مجمع اضداد
کچھ ہنرمند نے ہنر کچھ ہے

51

ناز کی کیا ہوئی کیوں عشق نہیں کیا صورت ہی
غیر تو طعنہ نہ دے گو کہ مجھے فرقت ہی
عشق سے اور بڑھی ہائے قساوت ان میں
کچھ نئی بات نہیں وعدہ تسلی کیا ہو
مجھ سے آزردہ ہو کیوں میں بھی تو کہتا ہوں یہی
گر عبادت کو عدو کو بھی لیے آئیں تو خوب
غیر کو یاد رہے تیری محبت ہی نہیں
ای عدو کس لیے ناداں ہی سمجھ تو آخر

آئینہ دیکھنے سے اُنکے مجھے حیرت ہی
کوہکن کیا کہیں خسرو سے بھی بے غیرت ہی
غیر کو رنج ہوا ہی تو ہمیں راحت ہی
وہی حرماں وہی یاس وہی حسرت ہی
تم ملو غیر سے ممکن ہی یہ سب تہمت ہی
کہ مرا رشک سے مرنا سبب عبرت ہی
اور اگر ہی تو نری محو سی کیوں نفرت ہی
جس سے ہم خوار ہوئے ہیں وہی عزت ہی

چشم سے اشک رواں لب پہ ہی آہ سوزاں

52

شیفتہ کس کے لیے آپکی یہ حالت ہی

آ ؤ مل جاؤ لڑائی ہو چکی
ایک دم صبر آزمائی ہو چکی

ایک حالت پر نہیں رہتا کوئی
اب وفا ہو بیوفائی ہو چکی

ہم سبک ہوتے ہیں اپنے ہاتھ سے
جو ہیں وہ بگڑے لڑائی ہو چکی

ضعف سے ہی آپ ہیں آنا محال
اُس کے کوچہ تک رسائی ہو چکی

ابکی جس صورت سے ہو ملجایئے
غیر کہتے ہیں صفائی ہو چکی

شیفتہ یہاں عشق یہ وہاں حسن وہ
دونوں عاجز نارسائی ہو چکی

زہر سے الماس سے تلوار سے
مجھکو الفت ہی انھیں دو چار سے

لیچلیں تھوڑا نمک بھی دشت میں
آبلے پھوٹیں گے آخر خار سے

نعش اُٹھانے کا ہی اب ساماں کریں
چارہ گر بیٹھے ہیں کیوں ناچار سے

ذکر وصل غیر کر بیٹھے مباد
کیا ملیں ہم محرم اسرار سے

پھر تو قابو ہیں اجل کے آ چکے
بچ گئے ہم گر غم دلدار سے

کاٹ کر سر خط کی جا بھیجا اُسے
کام خامہ کا لیا تلوار سے

جب ہمارا رشک سے جی بھر گیا
بزم خالی ہو گئی اغیار سے

جو گلہ سمجھے تھے نکلا شکر ہائے | کی شکایت ہم نے کس عیار سے
واہ ہم تو دیکھکر مر جائیں اور | زندہ ہوں مردے تری رفتار سے
وہم آسایش سے وحشت ہوگئی | اُس پری کے سایۂ دیوار سے

پھر یہاں سے کوئی بیٹھے شعر شتہ
اُٹھ گئے جب آپ کے بیمار سے

لطف ظاہر ہے مرے آزار سے | آشتی ہے مدعا پیکار سے
فیضیاب پرتو آئینہ حسن | مہر اُس کی پرتو رخسار سے
ساقیا بنت العنب وہ لاکھ ہو | دل بازستا ہوں بازار سے
غیر کو سجدہ بنایا یار نے | ہے تعجب چرخ کی رفتار سے
جی اُٹھے فرہاد اگر شیریں کہے | کیوں صدا آتی نہیں کہسار سے
کیا کہوں جوہر شناسی یار کی | مجھکو مارا تیغ جوہر دار سے
بلبل شوریدہ بیتاب و مست | اُس کے کوچہ کو چلی گلزار سے
ہمکناری کی ہوس تھی وقت قتل | ہم لپٹ کر رہ گئے تلوار سے
ہائے جوش بیخودی ہائے جنوں | راز الفت کہدیا اغیار سے
واہ ہوش پاس بدنامی کہ ہے | فکر اخفا محرم اسرار سے

جلد کھولو شیفتہ آغوشِ شوق
پہ صدا آئی لبِ سوفار سے

ترک ہوتا یار اور اغیار سے
قطع ہونا ربط گل ہے خار سے

کام جب ہی اور دعوے عشق کا
یار ہی یاں مدعا ہی یار سے

ہی ضرورت غیر کو واقع ہیں آج
آپ ٹھہراتے ہیں کیوں اصرار سے

آہ و زاری سے شکوہ حسن ہے
جیسے رونق باغ کی اشجار سے

جز دلِ شوریدہ لذت کون اٹھائے
عندلیبِ مست کی گفتار سے

دیکھ لیں گے ہم بھی گر اغیار کو
آپ نے جھانکا سرِ دیوار سے

فصد کے قابل دلِ بیمار ہے
چارہ جو ہے نرگسِ بیمار سے

اپنا ٹوٹا گھر بہت مرغوب ہے
بارگاہِ ثابت و سیار سے

ویرانی ہے وہ جگہ جو ہے الگ
ساتھ جنگل اور نہ بازار سے

شیوہ ہائے برق خاطف شیفتہ
جلوہ گر ہیں اس کے شوخ ادا سے

کچھ بات راز کی ہے ذرا پاس آئیے
جی چاہتا ہی آج خوب رو کو بنائیے

بلبل خزاں میں آتشِ دل یوں بجھائیے
گل کی سی شمع شمع کے قربان جائیے

روتا ہوا ہی اشک ندامت کہ ہنس کے وہ
کہتے ہیں اور بھی کوئی دریا بہائیے

بوسہ ہنسی ہنسی میں جو کل لے لیا تو پھر
کہنے لگے بھلا ہمیں کیا منہ لگائیے

سو بار انجمن سے اٹھاؤ ہم آئیں گے
اب ٹھن گئی کہ ناز تمہارے اٹھائیے

آتا ہی رحم ناز کی گوشِ یار پہ
اے وائے کیونکہ حال دل اسکو سنائیے

تدبیر صلح خوب ہی بن آئے بات تو
جی میں ہے آج غیر سے آنکھیں لڑائیے

گذرا ہیں اعتماد محبت کے فخر سے
مجھکو رقیب سمجھنے پر آپ آئیے

ایک نیم ناز بس ہے ہمارے ہلاک کو
کچھ بھی نہ کیجے دیکھ کے بس مسکرائیے

دشنام و نغمہ اسمیں ہمیں بحث کچھ نہیں
سنتے ہیں آج آپ ہمیں کچھ سنائیے

واعظ کے قول خوب ہیں رندوں کے فعل خوب
وہ اس سے سیکھ لیجے یہ اسکو سکھائیے

بے محو نقش کہنہ کہاں جائے نقش نو
سر مشق دل سے نقش تمنا مٹائیے

ہر چند سیر کی ہی بہت تم نے شیفتہ
پر میکدہ میں بھی کبھی تشریف لائیے

لب میں اگر نہیں تو ہمارے سخن میں ہے
جو خاصیت کہ اس لب اعجاز فن میں ہے

یا مرسل الریاح ادھر کو بھی بھیجدے
وہ بوئے خوش کہ جیب نسیم یمن میں ہے

دیتے ہیں چشم روشنی چشم روشنی
آمد نسیم مصر کی بیت الحزن میں ہے

نیرنگِ نوبہار ہے عشوہ طلسم کا
کیا عندلیب دامِ فریبِ چمن میں ہے

پیرانِ کہنہ بن گئے اطفالِ خورد سال
کیفیت عجب مرے دیوانہ پن میں ہے

الماس لیکے آئیں گے دینے ہیں یہ نوید
لذت نئی کچھ آج جو زخمِ کہن میں ہے

وہ آہوئے رمیدہ کہ ہم جن کے صید ہیں
نے وادیٔ تتار نہ دشتِ ختن میں ہے

شیوہ تمام غنچۂ نشگفتہ کا ہنوز نہ
بندِ قبائے شاہدِ گل پیرہن میں ہے

کیا غیر پر بھی شعلۂ برقِ غضب پڑا
ٹھنڈک سی آج کچھ مرے دل کی جلن میں ہے

کیا کیا پھنسا رہی ہے ہمیں دامِ رشک میں
آشفتگی کہ زلف شکن در شکن میں ہے

غیروں سے بہرہ ور نہوا ایسے شوق پر
کیا سطوتِ قبالِ کوہکن میں ہے

خلوت میں شیفتہ سے کوئی ملکے کیا کرے
وہ شخص انجمن میں بھی اور انجمن میں ہے

ہوا نہ مدِ نظر چشمِ یار کے بدلے
ہزار رنگِ بہار روزگار کے بدلے

صبا کو بھائے جو محفل کی تیری رنگینی
چمن کو داغ دیئے لالہ زار کے بدلے

کیا ارادہ اگر سیرِ باغ کا تم نے
قیامت آئے گی ابرِ بہار کے بدلے

خلافِ عہد ہی شیوہ تو کیا قباحت ہے
ستم کا عہد وفا کی قرار کے بدلے

عجب ہی شہر ہے دلّی بھی شیفتہ ہر گز

میں صبح و شام نہ لوں اس دیار کے بدلے

میری خوشی کا اُن کو نہایت خیال ہے
کچھ ان دنوں میں غیر سے شاید ملال ہے

لے کچھ سنے ہیں رشک سے دل پر ہزار داغ
نامِ خدا یہ گرمیِ حسن و جمال ہے

لے تابِ وصلِ غیر نہ نیروئے منع جز
تقدیر سے معارضہ کی کیا مجال ہے

قصدِ جواب ہو بھی تو کیا خاک دیں جواب
بیصرفہ متصل یہ ہجومِ سوال ہے

کچھ میرے عشق میں تمھیں شک ہو تو سامنے
دیوانِ خواجہ حافظ فرخندہ فال ہے

ہم نے کیا یہاں سے گذر کر جہاں مقام
وہاں وسعتِ سپہر و زمیں پائمال ہے

ہے شانہ کش جو زلفِ پریشاں میں بوالہوس
فکرِ وصالِ عاشقِ آشفتہ حال ہے

ممکن نہیں کہ برقِ نگہ غیر پر پڑے
جز طور اور پہ ہو تجلّی محال ہے

کچھ آج شیفتہ ہے بہت مضطرب مگر
جلنے کا اس کے غیر کے گھر احتمال ہے

ایامِ ہجر میں جو اجل کا خیال ہے
بیشک دماغ میں اثرِ اختلال ہے

خوش تھے کہ خونبہا سے نظر پہ خبر نہ تھی
کیشِ جفا میں خون ہمارا حلال ہے

اُن کے خلافِ وعدے سے ہیں شرمسار ہوں
کیونکر کہوں کہ مجھ سے اُنھیں انفعال ہے

کیا نسترن ہو تم کہ یہ پیاری شمیم ہے
کیا برگِ گل ہو تم کہ یہ زیبا جمال ہے

ساقی کو میکدے میں سرِ ناؤ نوش ہے
صوفی کو خانقہ میں سرِ وجد و حال ہے

عاشق کو اضطراب ہی عجز و نیاز سے
معشوق کو غرور ہی غنج و دلال ہے

منظور ہی حکیم کو ہر شے کی معرفت
حالانکہ اپنی معرفت اُس کو محال ہے

ہر کام فلسفی کا سفاہت کے ساتھ ہے
ہر بات منطقی کے مراؤ جدال ہے

اربابِ حکمتِ نظری کو عمل نہیں
اہلِ کلام کو ہوس قیل و قال ہے

جن کو کہ دستگاہ ہی فن نجوم میں
عمر اُنکی صرف زائچہ ماہ و سال ہے

رہتے ہیں بعض درپے اسراف رات دن
بعضوں کو روز و شب سرِ توفیر مال ہے

بعضوں کو ہی مذاق میں فخر نسب لذیذ
بعضوں کو ذوق دعوی فضل و کمال ہے

مفلس کو فکر ہی کہ کسی ڈھب سے کچھ ملے
منعم غریق لجۂ بیم زوال ہے

جو ہیں حریص سیرِ چمن اُن کو بزم میں
ذکرِ شجر کبھی کبھی فکرِ نہال ہے

جی ہیں کسی کی خواہشِ آرائشِ لباس
دلمیں کسی کے حسرتِ جاہ و جلال ہے

کوئی طلب میں اشہب گلگوں تنظیر کی
کوئی اسیرِ شوق شکارِ غزال ہے

کوئی فدائے قامت آشفتہ خرام ہے
کوئی خرابِ نرگسِ جادو مثال ہے

ناحق کسی کو شکر کسی کو شکایتیں
بیوجہ کوئی خوش ہے کسی کو ملال ہے

کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہ
اسکا جو دیکھیے تو بہت کم خیال ہے

تری خوبیاں غیر کیا جانتا ہے
تو جیسا ہی بس جی مرا جانتا ہے

ہوا انس کیوں دل کو اول نظر میں
کہ وہ مجھکو نہ وہ آشنا جانتا ہے

تظلم سے ہوتی ہے پیدا او فزوں
شکایت کو شکر جفا جانتا ہے

گرفتاری غیر کا ذکر مجھ سے
مجھے کسقدر مبتلا جانتا ہے

مجھے افعی زلف نے کاٹ کھایا
کوئی شخص اسکی دوا جانتا ہے

وہ گل میرے رونے سے ہوتا ہی خرم
کہ اپنا وہ نشو و نما جانتا ہے

ستمگر کہے سے برا مانتا کیوں
ستم کو اگر وہ بھلا جانتا ہے

کبھی غیر پر جور ہوتے نہ دیکھا
مجھی کو بس اک آزما جانتا ہے

نہ دھوکا کھاتا کہ کم عمر ہی وہ
ابھی شیوۂ ناز کیا جانتا ہے

تامل نہ کر قتل میں میرے ہرگز
کہ عاشق کا تو خونبہا جانتا ہے

خدا می سے واجب ہوا شیفتہ اب
مجھے یار بھی پارسا جانتا ہی

فقط یار جور و جفا جانتا ہے
یہی جانتا ہے تو کیا جانتا ہے

جو بیگانہ بتا لے تجھے خلق کیا غم
اگر آشنا آشنا جانتا ہے

نہ ممنون ہو دل طرۂ مشکبو کا
نہ الطاف باد صبا جانتا ہے

ہزاروں گئے جان سے اک ادا میں
عجب شیوہ دلربا جانتا ہے

مری چشم پرنم کا حال اس سے پوچھو
کہ وہ خوب یہ ماجرا جانتا ہے

شکایت ہمیں شکوہ سے شکر سے ہے
کہ اب وہ جفا کو وفا جانتا ہے

اسے کنج خلوت کی کیا ہی ضرورت
جو محفل کو خلوت سرا جانتا ہے

بصورت آئینہ بھی متہم ہے
کچھ آئین اہل صفا جانتا ہے

عدو کی رعایت سے مجھکو ستانا
وہ انصاف کا مقتضیٰ جانتا ہے

ہمیں شیفتہ کی نصیحت سے حاصل
کہ وہ آپ ہم سے سوا جانتا ہے

دیگر

سمجھ لے اور کوئی دن رقیب خوار مجھے
عزیز رکھتے ہیں اب انکے رازدار مجھے

شراب عشق ہی کیا دہشت خمار مجھے
جنون شوق ہی کیا حاجت بہار مجھے

اگر کہو کہ تو عاشق نہیں ہے سچ جانوں
تمہاری بات کا ایسا ہی اعتبار مجھے

حصول نام سے دلکو اگر نہو آرام
بہت عزیز نہیں جان بیقرار مجھے

عدو کو رشک ہی ایسا کہ سمت میں گویا
ملی ہی جا سے نفس برق شعلہ بار مجھے

عجیب عشق میں تہذیب نفس ہوتی ہے
ملا عدو کو مے و نغمہ برق و باران سے
خلاف وعدہ مسلّم وفا سے وعدہ غلط
خجل ہوں آپ میں ہو فت اپنے آنے سے
وہی رقیب سے صحبت وہی قدح خواری
جفا کو ترک کرو تم وفا کو میں چھوڑوں
رہی ہمارے مکتوم دل ہی میں افسوس
تمام شورش و سرتا قدم شکایت ہوں

نہ شوق باغ رہا نے سر شکار مجھے
صبا سے خاک ملی اور گل سے خار مجھے
غرض کچھ اور نہیں غیر انتظار مجھے
تم اور کرتے ہو ہنس ہنس کے شرمسار مجھے
کیا ہی آپ نے ناحق امیدوار مجھے
کچھ اشتہار نہیں ہو کچھ اشتہار مجھے
جہان میں نہ ملا کوئی رازدار مجھے
نعوذ باللہ اگر وہاں ملے گزار مجھے

ہلاک جلوہ زیبا خراب بادہ ناب
تمہارے شیفتہ معلوم ہیں شعار مجھے

دیگر

ابھی کہوں تو کریں لوگ شرمسار مجھے
ہزار شکر کہ اس کی گلی میں چھوڑ گئی
یہی گمان یہی رشک ہے اگر تو کبھی
جفا سے شحنہ ہی منظور پر نہیں منظور
عدو کے حق میں پھر آیا وہی زمانہ عیش

کہ کس کے وعدے پر اتنا ہی انتظار مجھے
نسیم جان کے اک ناتوان غبار مجھے
نہ کوئی دوست یگانہ کوئی یار مجھے
خلاف شیوہ رندان بادہ خوار مجھے
کھلے یہی سے پیالہ غیر قرار مجھے

جو بادشاہ بلائے تو میں نہیں جاتا
کہ ان دنوں ہیں کسیکا ہی انتظار مجھے

جو شور شیں نہ مچاتا اسیر کیوں ہوتا
خراب تو نے کیا جلوۂ بہار مجھے

عدو کے ساتھ بھی آخر جفا ہوئی آغاز
کسی طرح بھی نہ رکھا امیدوار مجھے

رفیق ہیں متردد رقیب ہیں فارغ
عزیز رکھتی ہی وہ چشم فتنہ بار مجھے

قفس میں کرتی ہی تحریک بال جنبانی
نوائے دلکش مرغانِ شاخسار مجھے

لیا ہی تھا نگہ پُرفسوں نے دل لیکن
کیا ادائے تغافل نے ہوشیار مجھے

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

بڑے فساد اُٹھیں شیفتہ خدا نہ کرے
کہ اُنکی بزم میں ہو دخل و اختیار مجھے

سحر گئی جو وہ گلگشت گلستاں کے لیے
صبا تپش میں ہی گلہائے بیخزاں کے لیے

اُنھیں ہی ہم سے محبت عمل کی کیا حاجت
اگر کرو تو کرو اُن کے پاسباں کے لیے

متاعِ بیش بہا شہرِ عشق میں ہی وفا
یہ آہ و نالہ ہی آرایشِ دُکاں کے لیے

وہ اپنے باغ میں ہمکو ضرور رکھے گا
جو بلبلوں کو نہ دے حکم آشیاں کے لیے

شتربان ملک کا ہی آسماں پہ دماغ
خزانہ چاہیے قارون کا ارمغاں کے لیے

سحر کے ساتھ ہی آتے ہیں کوئے جاناں میں
عدو ہنسی کے لیے اور ہم فغاں کے لیے

کرم کرم نہ سمجھ گر کسی غرض سے ہو / ستم ستم نہ سمجھ گر ہو امتحاں کے لیے

جو بوستاں میں گیا میں ہلاکِ قامتِ یار / قیامت آئے گی شمشاد بوستاں کے لیے

ہر ایک سے ہوئی قسمت بقدرِ استعداد / خرد ہی پیر کے اور نور ہی جواں کے لیے

غرض یہ ہی کہ مگر جائیں گر پڑے حاجت / کہ مُہر نامہ پہ کرتے نہیں نشاں کے لیے

کب آپ آئے کہ طاقت نہیں اشارے کی / کب آپ آئے کہ جنبش نہیں زباں کے لیے

نہ بتکدہ میں ترانہ نہ خانقہ میں سماع / دعا جبر ہی اُس آفتِ جہاں کے لیے

متاعِ دانش و دیں کی ضرور ہی تسلیم / کمال بے ادبی ہی سخن اماں کے لیے

زباں ہی عشق میں ہم خود بھی جانتے ہیں مگر / معاملہ ہی کیا ہوا اگر زباں کے لیے

ہمارے ساتھ ہیں وہ سوشگافیاں کہ نہ پوچھ / یہ نکتہ بس ہی کہ آفت ہی نکتہ داں کے لیے

اثر اگرچہ ہٹا بہرِ نازِ دلکش دوست / مگر کچھ اپنی بھی آہِ جگرفشاں کے لیے

یہ ضبطِ راز کی تعلیم شیفتہ بیجا / زباں ہمکو ملی ہی اگر بیاں کے لیے

65

دیگر

جو کہیے دوست کو جاؤں تو پاسباں کے لیے / نہیں ہی خواب سے بہتر کچھ ارمغاں کے لیے

تمام علتِ درماندگی ہی قلتِ شوق / تپش ہوئی ہی پرِ پروازِ مرغِ جاں کے لیے

سنی اکابرِ دیواں سے آخر آیۂ یاس / غلط تھی پہلی ہی کوشش خطِ اماں کے لیے

پری کنار میں رکھے کہ حور زانو پہ
ہمارا سر ہی ترے سنگ آستاں کے لیے

نگاہ لطف ترے دل کے واسطے ہی نسیم
نگاہ خشم تری بند ہی زباں کے لیے

شریک بلبل و قمری ہی وہ زبوں فطرت
جو بیقرار رہے سیر گلستاں کے لیے

امید ہی کہ نباہیں گے امتحاں لیکن
جو اسقدر متقاضی ہیں امتحاں کے لیے

نہ خاکیوں سے تعلق نہ قدسیوں سے ربط
نہ ہم زمیں کے لیے ہیں نہ آسماں کے لیے

شب وصال ہی پیغام روز فرقت کا
بہار آئی ہی گلزار میں خزاں کے لیے

پیام دوست ہوا قاصدوں کو وجہ شرف
نسیم مصر سے عزت ہی کارواں کے لیے

قدم بھی ہم تو نہ رکھتے دیار گلستاں میں
ہزار بار قدم ہم نے باغباں کے لیے

ہزار جلوہ رنگیں ہیں اور ہر جلوہ
سواد بحر لیے چشم خونفشاں کے لیے

قفس زمانہ و جاں مرغ و آشیاں ملکوت
قفس میں مرغ ہی بیتاب آشیاں کے لیے

فسانے اپنی محبت کے سچ ہیں پر کچھ کچھ
بڑھا بھی دیتے ہیں ہم زیب داستاں کے لیے

ہماری نظم میں ہی شیفتہ وہ کیفیت
کہ کچھ رہی نہ حقیقت مے مغاں کے لیے

افراد

پروانہ وار جلنا دستور ہی ہمارا
اس شمع رو پہ مرنا مشہور ہی ہمارا

دیگر

آنکھ کل اس سے لڑا آتا تو لڑائی ہوتی
شیفتہ پر میں وہ بدلی ہوئی چتون سمجھا

دیگر

غیر پہ پیار کی نظریں ہیں غضب کی ہم پہ
نگہ یار میں ہی رنگ گل رعنا کا

دیگر

اسکی جب آنکھ پھری پھر گئیں اسکی آنکھیں
شیفتہ مرنے پہ تیار ہی کیا پھرتا تھا

دیگر

کیا جانے گذری غیر پہ کیا اس کی بزم میں
آئے وہ اس طرح کہ مجھے پیار آ گیا

دیگر

ویرانے کی مانند ذرا جی نہیں لگتا
ہر چند کہ ہے شیفتہ دلّی وطن اپنا

دیگر

رقیب پیتے ہیں کس کس مزے سے جام شراب
ہمارے دور میں افسوس احتساب نہیں

دیگر

جوشِ جنون و پند کی تاثیر دیکھنا
دامن کو ٹانکتا ہوں گریباں کے چاک ہیں

دیگر

ہر شیوے سے ٹپکے ہے ادا ناز تو دیکھو
ہر بات میں اک بات ہے انداز تو دیکھو

دیگر

کہتے ہیں جور و جفا ناز و ادا کہتے ہیں
یہ بھی کیا لوگ ہیں کیا کرتے ہیں کیا کہتے ہیں

دیگر

منت کشِ عتاب پر الطاف شرط ہے | تنہا ستم نہ کیجئے انصاف شرط ہے

دیگر

ایسی غضب سے کرے قتل گماں کا ہے کو تھا | شیفتہ اُس کو تو لو تم سے محبت نکلی

تمام شد